

ماہنامہ حیات

بنارس

شمارہ/ ۷	رجب المرجب ۱۴۳۰ھ	جولائی ۲۰۰۹ء	جلد/ ۲۷
----------	------------------	--------------	---------

مدیر	اس شمارہ میں
عبدالوہاب حجازی	۱- درس قرآن
پتہ	۲- درس حدیث
دارالتالیف والترجمہ	۳- افتتاحیہ
بی ۱۸/ ا جی، ریوڑی تالاب	۴- شمع روشن بجھ گئی، بزم سخن ماتم میں ہے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰	۵- دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے قیام.. مولانا سعد اعظمی
بدل اشتراک	۶- انسانی تخلیقی مراحل اور انجام آخرت پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی
سالانہ ۱۲۰/ روپے	۷- غسل کے احکام و مسائل..... مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی
فی پرچہ ۱۲/ روپے	۸- عیادت مریض کی فضیلت اجمل حسین عبدالعزیز سلفی
○	۹- میت کو غسل دینے سے پہلے..... ڈاکٹر محمد زکریا الازہری
اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب	۱۰- بدعت اور اس کے مضرات عبدالواحد محمد لقمان
ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم	۱۱- مکہ مکرمہ قدیم تاریخ کے جھروکے سے محمد فرقان بن معین الحق
ہو چکی ہے۔	۱۲- مصنف دیوان گلشن..... مولانا علی منظر.. مولانا محمد حنیف مدنی
	۱۳- باب الفتاویٰ نور الہدیٰ عین الحق سلفی

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

عبداللہ سعود بن عبدالوہید

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ، إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ، أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ (انعام: ۵۰)

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اسی کی اتباع کرتا ہوں، آپ کہئے! کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ سو تم کیوں غور نہیں کرتے۔

حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم اکثر اللہ کے آخری رسول ہیں جن کو اللہ نے رہتی دنیا تک کے لئے نبی بنا کر بھیجا، اور رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہا گیا، اور آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے، یعنی انسان کی نجات اور کامیابی آپ ہی کی اطاعت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے بلند مقام عطا فرمایا، سید البشر کے ساتھ ساتھ آپ سید الانبیاء اور امام الانبیاء بھی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہ نے کوہ طور پر بلا کر خطاب فرمایا اور تورات عطا فرمایا مگر آنحضرت ﷺ کو معراج نصیب فرمائی اور آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہی تک بلایا اور بلا واسطہ براہ راست خطاب فرمایا۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کو جنت اور جہنم بھی دکھایا گیا، آپ کو تمام چیزوں کا علم عطا کیا گیا، یہ سب آپ کو وحی کے ذریعہ اللہ نے عطا فرمایا، اور آپ اللہ کے حکم کے تابع تھے۔

یہ تمام چیزیں برحق اور صحیح ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی برحق ہے کہ آپ نہ خدا ہیں اور نہ فرشتہ بلکہ ایک انسان اور اللہ کے رسول ہیں۔ جو جو باتیں آپ نے ہمیں بتائیں سب پر ایمان رکھنا ہمارا فرض ہے، اسی طرح جن جن چیزوں سے انکار کیا ان کا بھی ماننا ہمارا فرض ہے، اگر ہم کسی بات کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، یہ ایمان کے خلاف ہے۔

آج بہت سے مسلمان آپ ﷺ کے بارے میں ایسے عقیدے رکھتے ہیں جو آپ کی تعلیمات کے منافی ہیں۔

کلمہ شہادت: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله۔ اس کلمہ میں یہ تمام باتیں بتادی گئی ہیں۔

ہم کو اس پر غور کرنا چاہئے اور جو بھی ہم عقیدہ رکھیں یا کہیں سوچ سمجھ کر کہیں اور بلا سمجھے وغور کئے اندھوں جیسا ایمان نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو قرآنی آیات پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

تین، تین محبوب اور مبغوض بندے

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن أبي ذر، قال: قال رسول الله ﷺ: ثلاثة يحبهم الله، وثلاثة يبغضهم الله، فأما الذين يحبهم الله: فرجل أتى قوما فسألهم بالله، ، فمنعوه، فتخلف رجل بأعيانهم، فأعطاه سرا لا يعلم بعطيته إلا الله والذي أعطاه. وقوم ساروا ليلتهم ، فقام يتملقني ويتلو آياتي. ورجل كان في سرية، فلقى العدو فهزموا، فأقبل بصدرة حتى يقتل أو يفتح له. والثلاثة الذين يبغضهم الله: الشيخ الزاني، والفقير المختال، والغني الظلوم. رواه الترمذي والنسائي. (مشكاة ج ۱، ص ۱۷۰)

قال صاحب المراجعة: رواه الترمذي وقال: هذا حديث صحيح وأخرجه أيضا أحمد (مرعاة ج ۶ ص ۳۵۹)

ترجمہ: حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ (زیادہ) محبت کرتا ہے، اور تین قسم کے لوگ اس کے نزدیک مبغوض (ترین) ہیں، وہ لوگ جو اللہ کے نزدیک محبوب (تر) ہیں: (۱) (محروم کو چپکے سے صدقہ دینے والا) کوئی (حاجتمند) انسان کسی قوم کے پاس آ کر اپنی اور قوم کے مابین قرابت داری کے حوالہ کے بجائے اللہ پاک کے واسطے سے سوال کیا، قوم نے اسے محروم کر دیا تو قوم کا ایک آدمی ان سے پیچھے ہو کر مسائل کی مراد انتہائی سری طور پر پوری کر دی اس عطیہ و صدقہ کو اللہ پاک اور پانے والے کے علاوہ کوئی نہیں جان سکا۔ (۲) (سفر میں بیٹھی نیند چھوڑ کر دعاء و قیام کرنے والا) کوئی قوم پوری رات محو سفر تھی، (رات کے آخری حصہ میں) جب نیند ان کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو گئی تو سر رکھ کر سو گئے اور انہیں میں سے کوئی انسان قیام اللیل کر کے اللہ سے دعا، آہ وزاری اور تلاوت میں مشغول ہو گیا۔ (۳) اور (تیسرا) وہ انسان جو کسی غزوہ میں شریک تھا، دشمن سے مقابلہ ہوا، (پورا لشکر) شکست کھا گیا تو یہ (بہادر انسان) تنہا اپنے سینہ کے بل دشمن کی طرف بڑھا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا یا فتیاب ہو گیا۔

اور وہ تینوں افراد جو اللہ کے نزدیک مبغوض (تر) ہیں: (۱) بڑھانا کار۔ (۲) فقیر تکبر کرنے والا۔ (۳) مالدار زیادہ ظلم و زیادتی کرنے والا۔ (ترمذی، نسائی، حدیث صحیح)

تشریح: حدیث پاک سے رب العالمین کے تین محبوب تر بندوں کے صفات حمیدہ کا ثبوت ہوتا ہے، اور تین انتہائی مجرمین اور بدترین لوگوں کے اعمال قبیحہ کی نشاندہی ہوتی ہے، صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں مذکورہ بعض صفات سیئہ کی وعیدان الفاظ میں وارد ہوئی ہے: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولهم عذاب أليم: شيخ زان، وملك كذاب، وعائل مستكبر۔ رواه مسلم (رياض الصالحين، ص ۲۳۰) یعنی تین قسم کے لوگوں سے اللہ پاک بروز قیامت (محبت کا) کلام نہیں کریگا اور نہ ہی انہیں دیکھے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا: ۱- بڑھابکار، ۲- جھوٹا بادشاہ، ۳- فقیر متکبر۔ (مسلم شریف)

رب العالمین! ہم سب کو اخلاق حسنہ کا خوگر بنا، اور برے اعمال سے اجتناب کرنے کی توفیق دے، آمین۔

دین میں تحریف کے اسباب

● اجماع کی اتباع: اس کی حقیقت یہ ہے کہ حاملین ملت میں سے کچھ لوگ کسی چیز پر متفق ہو جائیں، جن کے متعلق عام لوگوں کا اعتقاد ہو کہ وہ اکثر یا ہمیشہ درستگی پر قائم رہتے ہیں، اور کسی حکم کے ثبوت کے لئے اس اتفاق کو قطعی دلیل سمجھا جائے، اور یہ اتفاق ایسی چیز پر ہو جس کی کوئی اصل کتاب و سنت میں نہ ہو۔

یہ اجماع اور ہے، اور وہ اجماع اور ہے جو کتاب و سنت پر مبنی ہوتا ہے، یا دونوں میں سے کسی سے مستنبط ہوتا ہے، اور جس کی صحت پر امت کا اتفاق ہے، اور امت نے ایسے اجماع کو جائز نہیں قرار دیا ہے جس کی بنیاد کتاب یا سنت پر نہ ہو۔

باطل اجماع کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُم اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ، قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (البقرة: ۱۷۰) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابع داری کرو، تو کہتے ہیں ہم تو اس طریقے کی تابع داری کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

حضرت عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہما وسلم کی نبوت کے انکار کی دلیل یہود کے یہاں صرف یہ ہے کہ: ان کے اسلاف نے ان کے احوال کی چھان بین کی ہے، اور انہیں نبیوں کے شرائط پر نہیں پایا، اور نصاریٰ کے یہاں بہت سے احکام ہیں جو تورات اور انجیل کے مخالف ہیں، اور ان کی دلیل صرف ان کے سلف کا اجماع ہے۔

لہذا اس نوع کا اجماع دین میں تحریف کا سبب ہے۔

● غیر معصوم یعنی غیر نبی کی تقلید، اس کی حقیقت یہ ہے کہ علماء امت میں سے کوئی کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے تو اس کے پیروکار گمان کریں کہ وہ ہمیشہ یا اکثر درست بات کہتا ہے، اس اعتقاد کی بنا پر اس کی بات کو عمل میں لائیں، اور صحیح حدیث رسول کو رد کر دیں۔

یہ تقلید اور ہے اور وہ تقلید مجتہد اور ہے جس کے جواز پر امت محمدیہ نے تین شرائط کے ساتھ اتفاق کیا ہے: (۱) پیروی کرنے والا جانتا ہو کہ مجتہد غلطی بھی کر سکتا ہے اور درست بات کو بھی پاسکتا ہے، (۲) پیروی کرنے والا کسی بھی مسئلہ میں ہمیشہ نص نبی ﷺ پانے کے لئے منتظر اور کوشاں رہے، (۳) اس کا قطعی عزم رکھے کہ تقلیدی قول کے خلاف جب صحیح حدیث ظاہر ہوگی تو تقلید چھوڑ دے گا اور حدیث کی اتباع کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانہم أرباباً من دون اللہ﴾ (التوبة: ۳۱) ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے، کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ ان کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ لوگ جب ان کے لئے کوئی چیز حلال ٹھہراتے تو وہ انہیں حلال مان لیتے، اور جب وہ ان پر کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو وہ اسے حرام مان لیتے تھے۔

اس نوع کی تقلید دین میں تحریف کا سبب ہے۔

● ایک ملت کا دوسری ملت سے اس طرح گھل مل جانا کہ ایک کا دوسرے سے کوئی امتیاز نہ رہے، اس کی توضیح یہ ہے کہ کوئی انسان پہلے کسی دین کو مانتا تھا، جس دین کے ماننے والوں کے علوم اس کے دل میں جا گزریں تھے، پھر وہ ملت اسلامیہ میں داخل ہوتا ہے، لیکن اس کے دل کا میلان سابقہ علوم کی طرف باقی رہتا ہے، چنانچہ دین اسلام میں بھی وہ اس کے لئے کوئی وجہ تلاش کرتا ہے، خواہ وہ ضعیف یا موضوع ہی ہو، بلکہ وہ اس کے لئے روایت گڑھنے اور موضوع کی روایت کرنے کو بھی کبھی جائز کر لیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی حقیقت یہی ہے جس میں آپ ﷺ نے بتایا ہے کہ: بنی اسرائیل کا معاملہ اعتدال پر قائم تھا، یہاں تک کہ ان میں لونڈیوں کی اولاد نے نشوونما پائی اور وہ اپنی رائے چلانے لگے، لہذا وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

اور ہمارے دین میں جو باتیں داخل ہوئی ہیں وہ بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کے علوم، اور زمانہ جاہلیت کے خطیبوں کی نصیحتیں، اور یونانیوں کی حکمت و فلسفہ، اور بابل والوں کے جادو منتر، اور فارس والوں کے افسانے، اور علم نجوم، علم رمل اور علم کلام ہیں، رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب تورات کا ایک نسخہ پڑھا جانے لگا تو اس پر آپ ﷺ کے غضب ناک ہونے کا راز یہی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اسی لئے مار لگائی تھی کہ وہ حضرت دانیال کی کتابوں کی تلاش میں تھا۔

محمدؐ دہلوی رحمہ اللہ نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے، ملت اسلامیہ میں وہ خلط ملط ہو چکی ہیں اور اس سے تحریف کا دروازہ کھل گیا ہے، اقوام اسلامیہ کو غور کرنا چاہئے کہ ملت واحدہ اسلامیہ سے ان کی بڑھتی دوری تحریفات کی مذکورہ راہوں پر چلنے کے سبب سے ہے، کتاب و سنت کی ٹھیکہ تعلیمات پر عمل ہی اس مہلک مرض کی دوا ہے، وفقنا اللہ وایاکم۔



اعلان داخلہ

جامعہ دارالسلام پھلوریا، سدھارتھ نگر (ملحق جامعہ سلفیہ بنارس) جو الحمد للہ عرصہ دراز سے قائم ہے اور یہاں مکتب شعبہ حفظ اور جماعت رابعہ تک کی تعلیم و تربیت کا معیاری انتظام اور قیام و طعام و روشنی کا مکمل بندوبست ہے، چونکہ ہمارا یہ ادارہ جملہ تعلیمی نظام اور نصاب تعلیم میں جامعہ سلفیہ کا تابع ہے، لہذا نئے نظام تعلیم کے مطابق ۱۰ اگست بروز سوموار ۲۰۰۹ء بوقت ۹ بجے صبح امتحان داخلہ ہونا طے پایا ہے۔

شعبہ حفظ و شعبہ عربی میں داخلہ کے خواہشمند طلباء ۹ اگست بروز اتوار تک داخلہ فارم پُر کر کے وقت مقررہ پر مع سرپرست جامعہ پر حاضر ہو کر شریک امتحان داخلہ ہوں۔

المعلن: محمد بشیر محمد صدیق السلفی

صدر مدرس جامعہ دارالسلام پھلوریا، رمواپور، سدھارتھ نگر یوپی

رابطہ نمبر: 09792660849، 09984409328

شمع روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے

(۲-۲)

از: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

بنارس کے میئر کا الیکشن:

مدن پورہ بنارس کے جن خاندانوں کا جامعہ سلفیہ کی تاسیس میں نمایاں کردار ہے ان میں الحاج محمد فاروق، رحمہ اللہ، کا گھرانہ بھی ہے، اسی گھرانہ کے ایک نامور فرد ’’الحاج محمد صالح انصاری ہیں (۱)‘‘، موصوف علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور عزم و حوصلہ کے پیکر ہیں، اپنی سیاسی و سماجی خدمات کے باعث ہر دل عزیز ہیں، آپ کے دولت کدہ پر کئی ادبی پروگراموں میں یہ خاکسار بھی شریک رہا ہے، عوامی خدمات میں آپ کی انسانیت نوازی ایک نمایاں باب ہے، آپ کے یہاں مذہب و مسلک کا کوئی امتیاز نہیں، انصاف کی راہ میں آپ نے کسی کی پرواہ نہیں کی ہے، آپ کا سوانح نگار آپ کے محاسن کو یقیناً نمایاں کرے گا، فی الحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ۱۹۸۹ء میں آپ نے بنارس کارپوریشن کے میئر کے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا، بنارس شہر کی آبادی اور شہریوں کے رجحان پر نظر ڈالی جائے تو یہ فیصلہ آپ کے اہنی عزم اور بے لوث عوامی خدمت کے جذبہ کا آئینہ دار ہے، میئر کے الیکشن میں جس عزم و ہمت کے ساتھ آپ میدان میں اترے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی، اور پورا شہر انبساط و طرب سے جھوم اٹھا۔ جامعہ سلفیہ نے انصاری صاحب کے اعزاز میں تقریب منعقد کی، خاکسار پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ محترم فضا صاحب سے ایک تہنیتی نظم کی درخواست کروں، فضا صاحب نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا، اور اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی نظم بعنوان ’’ہدیہ تہنیت‘‘ ارسال فرمائی، عنوان کے بعد قوسین میں یہ عبارت ہے:

(بنارس کارپوریشن کے الیکشن ۸۹ء (برائے میئر) میں جناب محمد صالح انصاری کی نصرت و کامیابی پر)

(فضا ابن فیضی)

اس کے بعد نظم شروع ہوتی ہے، جس کے کل بند (۱۳) ہیں، اور ہر بند میں اختیار و انتخاب کا کوئی نہ کوئی محرک موجود ہے، مگر میں صرف بعض اشعار پر اپنا تاثر نقل کروں گا، اشعار کے حسن و بلاغت کا ادراک قارئین اپنے ذوق سے کریں گے۔

(۱) موصوف مذکورہ تحریر کے بعد ۶ مئی ۲۰۰۹ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے، جس کا تقاضہ تھا کہ جملہ ’’ماضی بعید‘‘ کی شکل میں لکھے جاتے، لیکن میں نے سابقہ تحریر میں کسی تبدیلی کو مناسب نہ جانا، قارئین کرام اسے ملحوظ رکھیں۔ م

نظم کا پہلا بند یوں ہے:

نئی ہے بزم، مغنی نیا ہے، ساز نیا
حدیثِ ناز نئی، قصہٴ نیاز نیا
ملا ہے وقت کے محمود کو ایاز نیا
اس تلمیح کا حسن اہل نظر سے مخفی نہیں۔

”ہوا میں نشہ ہے، خوشبو چمن کے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں“

عجب ہے ”صبح بنارس“ کی جلوہ آرائی
شفق جبین پہ سجائے ”اودھ کی شام“ آئی
ایک ہی شعر میں صبح بنارس کے ساتھ جلوہ آرائی اور شام اودھ کے لئے شفق جبین پر سجانے کا مضمون باندھ کر شاعر نے
اپنی فنی مہارت کا اظہار کیا ہے۔

مری نگاہ، مرادل، مرا دماغ ہے تو
شرافتِ نسبی سے ہے، اور ایان ہے تو
شرافتِ نسبی سے وہ شرافت مراد ہے جس کی بنیاد عمل پر ہو۔
کہ خانوادہٴ فاروق کا چراغ ہے تو
ہر خاندان کے افراد اس کے لئے چراغ ہی کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن صالح انصاری صاحب نے اپنی ملنساری،
خدمتِ خلق اور بلند نگاہی سے گھر اور شہر میں چراغ کا مقام حاصل کر لیا تھا۔

خدا کا فضل ہے صالح تری ظفر مندی
وگر نہ سہل نہ تھی دشت کی چمن بندی
صالح صاحب کی کامیابی کو شاعر خدا کا فضل قرار دے رہا ہے جو عین حقیقت اور شانِ توحید و تعبد ہے، دوسرے مصرعہ
میں بلاغت کے ساتھ پورے ماحول کی تصویر پیش کر دی ہے، دشت کی چمن بندی کے سہل نہ ہونے کی بات اپنے اندر گہرا معنی
رکھتی ہے۔

مری زمیں پہ تو اک آسمان ہے گویا
ثبات و عزم و عمل کی چٹان ہے گویا
تو قومی یک جہتی کا نشان ہے گویا
امیر شہر! تو امید گاہ ہے سب کی
متاعِ کوکب و خورشید و ماہ ہے سب کی
مدح و ستائش پر مشتمل اس بند میں شاعر نے اُن اوصاف کو نمایاں کیا ہے جن سے عوامی ہمدردی والا انسان آراستہ
ہوتا ہے۔

جو سب کی صبح ہے، وہ تیری شام ہے پیارے
مجھے خبر ہے، جو تیرا مقام ہے پیارے
ترا مشن تو فلاحِ عوام ہے پیارے
ہلاکِ سختی رنج و عذاب ہیں جو لوگ
تو، ان کا دوست ہے، خانہ خراب ہیں جو لوگ
اس بند میں بھی خدمتِ خلق کے پہلو کی جانب اشارہ ہے، ممدوح کا مشن عوام کی فلاح ہے، اور مصیبتیں جھیلنے والے کا
وہ دوست اور غمگسار ہے، نظر میں بہاروں کے خواب پلنا اور ممدوح کے چراغ سے سب کے چراغ جلنا مدح و ستائش کی
خوبصورت تعبیر ہے۔

تری نظر میں، بہاروں کے خواب پلتے ہیں
ترے چراغ سے، سب کے چراغ جلتے ہیں
یہ رہ گزر بھی تری، قافلہ بھی تیرا ہے
یہ عکس بھی ہیں ترے، آئینہ بھی تیرا ہے
تو جامعہ کا ہے، اور جامعہ بھی تیرا ہے
نہ مدح کے، نہ ثنا کے، نہ منقبت کے ہیں
قبول کر انہیں، یہ پھول تہنیت کے ہیں

اس بند میں جامعہ کے ساتھ صالح صاحب کے قریبی تعلق اور سرپرستی کی بہترین تعبیر ہے، اسی طرح تہنیت کے پھول قبول کرنے کا استعارہ کلام میں مزید حسن پیدا کر رہا ہے۔

یہ جشن شوق، یہ تقریب خیر مقدم کی
یہ فتح، جیسے ہو معراج ابنِ آدم کی
خیر مقدمی تقریب کو جشن شوق سے تعبیر کر کے شاعر نے حاضرین کے دلوں میں موجزن جذبات کی عمدہ عکاسی کی ہے۔

مرے افق پہ جو ہے، وہ سحر بھی تیرے نام
شعورِ حسن بھی، ذوقِ نظر بھی تیرے نام
یہ میرے حرف، یہ میرا ہنر بھی تیرے نام
مری دعا ہے، تو زندہ رہے ہزار برس
بہار ساز رہے، تیری آرزو کا نفس
شاعر نے اپنے حرف و ہنر کو مدوح کی نذر کرنے کے بعد جو دعادی ہے اس کی معنویت واضح ہے، مدوح کی آرزو کے نفس کو بہار ساز کہنا لطیف استعارہ ہے۔
نظم کے نیچے چوکھٹے میں یہ عبارت ہے:
تقدیم: ابنائے جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس (یوپی)

سیرت کا نفرنس:

ستمبر ۱۹۹۱ء میں جامعہ سلفیہ نے سیرت کا نفرنس منعقد کی تھی، اس میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ سے محمد بن ناصر العبودی تشریف لائے تھے، اسی طرح دیگر بہت سے علماء و محققین اس کا نفرنس کی زینت تھے، اس میں جو مقالات پیش ہوئے تھے انہیں جامعہ نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے، صفحات کی مجموعی تعداد (۸۳۲) ہے، محترم فضا صاحب نے اس کا نفرنس کے لئے ”گلِ نخستیں“ کے عنوان سے جو خمسہ تحریر فرمایا وہ نو بندوں پر مشتمل ہے، اسے انہوں نے اپنے خط میں ارسال کیا، کاپی کے تین اوراق پر یہ نظم مرقوم ہے، دو صفحات خالی ہیں، اور پہلے صفحہ پر یہ عبارت مرقوم ہے:

”جلسہ سیرت جامعہ سلفیہ بنارس کے لئے“

فضا ابن فیضی

۱۳/ستمبر ۱۹۹۱ء

مرکزی دارالعلوم کا عربی نام ”الجامعۃ السلفیہ“ ہے، اور اس میں دونوں جزء معرف باللام ہیں، فضا صاحب نے ٹیپ کے بند میں پہلے جز کو بغیر لام تعریف استعمال کیا ہے۔
نظم کا پہلا بند یوں ہے:

بزمِ نئی ہے، سازِ نئے، اندازِ نیا، آہنگِ نیا
پیکرِ پیکرِ وضعِ انوکھی، منظرِ منظرِ رنگِ نیا
قدرِ نئی، معیارِ اچھوتا، نقشِ نیا، ارژنگِ نیا

دیکھ! یہ خلدِ جلوہ و نکبتِ جامعۃ السلفیہ کی
اللہ اللہ، مجلسِ سیرتِ جامعۃ السلفیہ کی
بنارس جیسے مندروں والے شہر میں جامعۃ سلفیہ کی تاسیس اور اس کی طرف سے سیرتِ طیبہ کانفرنس کے انعقاد کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے فضا صاحب کہتے ہیں:

کس نے صنمِ آباد میں ڈالی، آخر یہ بنیادِ حرم
تابہ سوادِ کاشی پہنچا، سلسلہٴ ایجادِ حرم
قافلہٴ اربابِ عجم! ہو تم کو مبارک زادِ حرم

ہو سب کا مقصود یہ نعمتِ جامعۃ السلفیہ کی
اللہ اللہ مجلسِ سیرتِ جامعۃ السلفیہ کی
دینی کانفرنسوں اور اجتماعات سے اسلامی تعلیمات کا تذکرہ اور سیرت و سنت کے معارف کا بیان سامعہ نواز ہوتا ہے،
تیسرے بند میں فضا صاحب اسی کیفیت کی عکاسی فرماتے ہیں:

محفلِ محفلِ بکھرے ہیں خورشیدِ رسالت کے جلوے
حسن و بصیرت کے نظارے، دین و شریعت کے جلوے
زلفِ یقیں کی سحر طرازیِ روئے حقیقت کے جلوے

کتنی زر افشاں ہے یہ روایتِ جامعۃ السلفیہ کی
اللہ اللہ، مجلسِ سیرتِ جامعۃ السلفیہ کی

اسلامی شریعت اور کتاب و سنت کی تعلیمات زندگی کے ہر پہلو کو محیط اور انسانی معاشرہ کی ہر دشواری کا حل ہیں، ان

کے اندر محدودیت اور یک رنے پن کا جوتا اثر دیا جاتا ہے وہ انسانی نظر کا قصور ہے، اسلامی تعلیمات کا نہیں، نبی ﷺ کی تربیت کے بعد صحابہ کرام نے دنیا میں جو کارنامے انجام دیئے، اور جس طرح ہر میدان میں انسانوں کی قیادت کی وہ ہمارے دعوے کا کھلا ثبوت ہے، اسی حقیقت کو اجاگر کرتے ہوئے فضا صاحب کہتے ہیں:

تہذیبِ اخلاق و تمدن ، تعمیر کردار و عمل
تشکیلِ اسرار و معارف ، تکریمِ ادیان و ملل
”اسوۂ حسنہ“ کا ہر پہلو، تعلیمِ قرآن کا بدل

عین یہی منشا، یہی دعوتِ جامعۃ السلفیہ کی
اللہ اللہ، مجلسِ سیرت جامعۃ السلفیہ کی

ایک بند میں امت کو اس کا فرض یاد دلارہے ہیں:

وحدت کے مکتب میں تشکیلِ کتاب و سنت کی
ہم پر تم پر فرض ہے اب ، ترسیلِ کتاب و سنت کی
”اقراء“ کے اجمال میں ہے، تفصیلِ کتاب و سنت کی

یہ ایماں افروز عبارت ، جامعۃ السلفیہ کی
اللہ اللہ، مجلسِ سیرت جامعۃ السلفیہ کی

آخری بند یوں ہے:

خوشبو کے ہاتھوں نے مجھے محرابِ صبا پر لکھا ہے
دیکھو تو یہ ماجرا کیسا؟ لوحِ نوا پر لکھا ہے
میں نے اس نغمے کو فضا، قرطاسِ حرا پر لکھا ہے

تم بھی ذرا سن لو یہ حکایتِ جامعۃ السلفیہ کی
اللہ اللہ، مجلسِ سیرت جامعۃ السلفیہ کی

فضا ابن فیضی کی فکر و فن پر نظر کی جائے تو وہ عالمی شاعر تھے، ان کے کلام میں آفاقیت نمایاں ہے، اگر کسی ہنرمند کو اس کی اصل حیثیت میں نہ پہچانا جائے، یا جس مقام کا وہ مستحق ہے اس پر نہ رکھا جائے تو یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر دور میں اس کی متعدد مثالیں ملیں گی، ہم کو فضا صاحب کی شخصیت پر اس پس منظر میں نہ دیکھنا چاہئے کہ مادی اور ظاہر لحاظ سے ان کو دنیا نے

کہاں جگہ دی؟ بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ اردو جیسی محدود زبان میں انھوں نے بلند و بالا معانی کو کس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا اور خوبصورت ترکیب و اسلوب میں ترسیل کا فرض ادا کیا۔

سطورِ بالا میں فضا صاحب کی شخصیت کو صرف ان کے اس کلام کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے جو موصوف نے جامعہ سلفیہ سے متعلق کہا ہے، جو لوگ بحرِ ادب و تنقید کے شناور ہیں وہ ان کے کلام کا کما حقہ تعارف کرائیں گے، اور ان کی شاعری کے محاسن سے اہل ذوق کو آگاہ کریں گے، یہ ایک عظیم ذمہ داری ہے جسے حامیانِ علم و ادب کو ادا کرنا ہے۔

ان سطور کے اختتام پر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں آنے والا ہر ایک جاتا ہے، فضا صاحب بھی دنیا سے گئے، اور فکرو فن کی شاداب زندگی گزار کر گئے، علم و فن والوں کی موت میں اور عام انسانوں کی موت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ اول الذکر کو دنیا ان کے کارناموں کے سبب یاد رکھتی ہے، اور ان کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے فضا صاحب کے لئے ہماری دعاء ہے کہ ان کی لغزشوں کو درگزر فرما، ان کے درجات کو بلند فرما، جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ مقام عطا فرما، اور فکرو فن کی آبیاری کے لئے ان کا جانشین پیدا فرما:

اللهم اغفر له، وارحمه، وأمطر عليه شأبيب رحمتہ، آمین

تحریر مزید

اپنی زندگی ہر آدمی کو پیاری ہوتی ہے، لیکن کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی زندگی دوسروں کو بھی پیاری ہوتی ہے، اور وہ ان کی درازی عمر کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ فضا صاحب جب سے اضمحلال اور بعض امراض کا شکار ہوئے، اور ان کے معمولات میں کچھ فرق آیا، لوگوں کی فکر مندی میں اضافہ ہو گیا، کمزوری و بیماری کے ایام میں خیریت معلوم کرنے والے ملاقات کر کے یا بالواسطہ ان کے متعلق اطمینان حاصل کرتے تھے، بنارس سے خاکسار جب منو آتا تو یہ کوشش ہوتی کہ ملاقات کر کے خیریت دریافت کروں، اور اگر اس کا موقع نہ ملتا تو بالواسطہ حال پوچھ لیتا۔ ۱۳۲۹ھ عید الاضحیٰ کی تعطیل میں منو آیا تھا تو ملاقات نہ ہو سکی، وسط دسمبر میں منو سے دہلی چلا گیا، اور وہاں سے ۷/ جنوری ۰۹ء کو بنارس آیا، اور سوچا کہ ۱۹/ جنوری کو منو آؤں گا، مگر اس سے پہلے ہی ۱۷/ جنوری کو یہ اندوہناک خبر معلوم ہوئی کہ پوری عمر عروسِ شعر و سخن کی مشاطگی کرنے والا فنکار دنیا سے اٹھ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ سلفیہ کے استاد شیخ اسعد اعظمی سے مشورہ کے بعد طے پایا کہ ۱۸/ جنوری کی صبح کو انٹرسٹی سے منو چلا جائے تاکہ ساڑھے دس بجے نماز جنازہ میں شرکت ہو سکے، یہی ہوا، منو پہنچے تو محسوس ہوا کہ شہر کے دروہام پر اداسی ہے، شاید استاد الشعراء کی رحلت نے ہر ایک کو حزیں و دل فگار بنا دیا تھا۔

عید گاہ اہلحدیث ڈومن پورہ پچھم میں جنازہ کا اعلان تھا، وہاں پہنچے تو عید گاہ کا وسیع میدان سوگواروں سے بھرا ہوا تھا، ہر طرف سے لوگ امنڈ پڑے تھے، جنازہ کی نماز کے بعد متصل قبرستان میں تدفین ہوئی، اور لوگ مرحوم کے لئے زبان پر دعاء اور دل میں فی عظمت کا اعتراف لئے واپس ہوئے:

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

علم فن و دولت و ہنر کی کسی سرزمین کے ساتھ تخصیص نہیں، پھر بھی شخصیت کے ساتھ علاقہ کا نام آتا ہے، فضا صاحب مؤمن میں پیدا ہوئے، اور اپنی عمر کا اکثر حصہ اسی قصبہ میں گزارا، آخری چند برسوں میں اس قصبہ کو ضلع کا مقام حاصل ہو گیا، اور تمدن کے مظاہر میں ترقی ہوئی، فضا صاحب اس تبدیلی کو دیکھنے کے بعد ہی دنیا سے تشریف لے گئے۔ جنازہ میں سوگواروں کی تعداد سے فضا صاحب کے فن کے تین اہل مؤن کی قدر شناسی کا ثبوت ملتا ہے، منزلت شناسی کے قبیل ہی سے وہ دروازہ بھی ہے جسے فضا صاحب کے بعض قدردانوں نے مؤن کی شاہراہ عام سے فضا صاحب کے دولت کدہ کو جانے والی ذیلی سڑک کے آغاز پر تعمیر کرایا ہے، ”باب فضا ابن فیضی“ کے ستونوں پر ان کے بعض اشعار بھی ثبت ہیں، فضا صاحب کی یادگاروں میں ان کی تخلیقات اور تلامذہ کے بعد اس باب کا بھی شمار ہوگا، اگرچہ اصل مقام معنوی یادگار کا ہوتا ہے مادی کا نہیں۔

فضا صاحب کی غیر مطبوعہ تخلیقات کو منظر عام پر لانے کی ذمہ داری ان کے ورثہ، اقرباء اور مخلصین کی ہے، تلامذہ کا کردار بھی اس سلسلہ میں اہم ہے، میں اسے اہل مؤن کی ایک اور آزمائش سمجھتا ہوں، اگر یہ سرمایہ ادھر ادھر ہوا تو ادب کا بہت پڑا خسارہ ہوگا! خوف و اندیشہ کے اس مقام پر یہ تلخ اشارہ بھی کروں گا کہ مؤن کے لئے فضا صاحب کی شخصیت اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نوازش کا ایک حصہ تھی، اس پر اہل مؤن کا ناز کرنا بجا ہے، لیکن فن کی عظمت شناسی اور فنکار کی پذیرائی کے لحاظ سے ان کی آزمائش بھی ہے۔ اردو کے ادبی معرکوں کی تاریخ پرانی ہے، ہر شخصیت کے ساتھ کچھ واقعات پیش آ جاتے ہیں، لیکن قدرت جس فیاضی سے کسی انسان کو کوئی فنی صلاحیت عطا کرتی ہے، ہمیں اسی وسعت قلبی کے ساتھ اس کا استقبال بھی کرنا چاہئے، اور پہلے ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ صلاحیت کی قدر کریں، منفی جذبات کو دبائیں، اور علم و ادب کو ان کے اصل مقام پر رکھیں، شخصیات فنا ہو جائیں گی، لیکن خدمات باقی رہیں گی۔

اختتام پر فضا صاحب ہی کا ایک شعر نذر کر رہا ہوں:

وقت نے کس آگ میں اتنا جلایا ہے مجھے
جس قدر روشن تھا میں، اس سے سوا روشن ہوا

دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے قیام کا پس منظر

(۲)

مولانا سعد اعظمی / استاذ جامعہ سلفیہ

مولانا محمد اسلم فیروز پوری آگے لکھتے ہیں:

حضرت صوفی صاحب نے فرمایا: میں اُسی وقت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے پاس پہنچا کیونکہ وہ جماعت مجاہدین کے رکن رکین تھے اور صوبہ بہار کا جماعت مجاہدین سے بیشتر مالی تعاون ان کی وجہ سے ہوتا تھا، برصغیر پاک و ہند میں حضرت مولانا محمد ابراہیم آروی پہلے ہندوستانی عالم ہیں جنہوں نے درس نظامی میں اساسی اور انقلابی تبدیلیاں لانے کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ مذاکرہ آرہ کے نام سے انہوں نے اس کا آغاز فرمایا، مولانا رحیم آبادی نے مولانا آروی کی وفات کے بعد ان کی روایات کو درخشندہ رکھا، چنانچہ حضرت صوفی صاحب نے حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے درد بھرے الفاظ میں شرح و سب سے اپنی مصروفیات پیش کیں اور ان سے درخواست کی کہ جلد از جلد اہل حدیث کے دینی مدارس کا قیام عمل میں لایا جائے، ورنہ اہل حدیث کی نسل نوحنی ہو جائے گی، چنانچہ حضرت صوفی صاحب کی تحریک سے حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے ریاست در بھنگہ کے ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم کو ریاست در بھنگہ میں دینی مدرسہ قائم کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت صوفی صاحب کی تحریک اور حضرت مولانا رحیم آبادی کی تائید سے دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، لہریہ سرائے، در بھنگہ کا قیام عمل میں آیا، جو آج بھی بحمد اللہ مشرقی ہند کا ایک عظیم دینی ادارہ ہے۔

ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر سید عبدالحمید اس کے مہتمم اعلیٰ ہیں، حضرت مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی مرحوم، حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی ملوی مرحوم اس مدرسہ میں شیخ الحدیث رہ چکے ہیں، پندرہ روزہ ”الہدی“ دارالعلوم کا علمی اور مسلکی ترجمان ہے، دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریہ سرائے در بھنگہ میں حمید یہ برقی پریس حافظ عبدالحمید دہلوی کے ذاتی مصاف لگا کر جاری کیا ہے، ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم صوبہ بہار میں ایک ممتاز سیاسی شخصیت کے مالک تھے، جماعت اہلحدیث میں انہیں منفرد مقام حاصل تھا، وہ متعدد مرتبہ صوبہ بہار کی ریاستی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، یعنی ایم ایل اے ہوئے، لیکن دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ اپنے قلیل وسائل اور محدود ذرائع کی وجہ سے زیادہ طالب علم داخل نہیں کر سکتا تھا، اس وقت اس کا داخلہ ہمیشہ سو طلباء سے کم رہا، لیکن حضرت صوفی صاحب کی دلی تمنا ابھی تشنہ تکمیل تھی، چنانچہ حضرت صوفی صاحب مرحوم، مولانا رحیم آبادی کی

تائید سے حاجی عبدالرحمن مرحوم کے پاس دہلی پہنچے، حاجی عبدالرحمن مرحوم بھی جماعت مجاہدین کے ایک عظیم اور نہایت مخلص معاون تھے، تمام رؤسائے دہلی سے حاجی عبدالرحمن کا مالی تعاون جماعت مجاہدین کے ساتھ سب سے زیادہ ہوتا تھا، حضرت صوفی صاحب کی حاجی عبدالرحمن صاحب سے اچھی خاصی جان پہچان تھی، گویا صوفی صاحب حاجی عبدالرحمن کے لئے کوئی نئے نہیں تھے، کافی عرصہ سے ان کے ساتھ تعارف چلا آ رہا تھا، چنانچہ صوفی صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں اپنی آپ بیتی اور دارالعلوم دیوبند میں اہلحدیث طلباء کی بے بسی درد بھرے الفاظ میں بیان کی اور اپنی مزید توثیق کے لئے مولانا رحیم آبادی کا زبانی پیغام اور تحریری بیان ان کی خدمت میں پیش کیا، جناب حاجی عبدالرحمن مرحوم صوفی صاحب کی اس گفتگو، تحریک اور مولانا رحیم آبادی کی تائید سے بہت متاثر ہوئے اور وعدہ فرمایا کہ بہت جلد آپ کی اس دینی خواہش کی تکمیل کے لئے ایک عظیم الشان دینی ادارہ قائم کر لیا جائے گا، چنانچہ ۱۹۲۱ء میں حاجی عبدالرحمن مرحوم نے زکیر صرف کر کے ایک سال میں دارالحدیث رحمانیہ کی عظیم الشان بلڈنگ قائم کر دی، یہ ہے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کا تاریخی اور حقیقی پس منظر۔

راقم السطور کے اس موقف کی تائید، چودھری محمد ظفر اللہ ایم اے مدیر جامعہ ابی بکر کراچی، مولانا عبدالرحمن ناظم مطبخ جامعہ ابی بکر، مولانا عبدالرشید ہزاروی، مولانا محمد صدیق اعظمی، مولانا حافظ محمود احمد حسن، مولانا حافظ مشتاق احمد پرواز، مولانا عبدالرشید حنیف، مولانا عبدالقادر ندوی، مولانا محمد اسحاق چیمہ اور دیگر بیسیوں علمائے کرام فرمائیں گے۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی حاجی عبدالرحمن مرحوم، حاجی عطاء الرحمن مرحوم، حاجی عبدالوہاب مرحوم کے ذاتی سرمایہ سے چلتا تھا، وہ نہ کسی سے چندہ مانگتے تھے، اور نہ چندہ لیتے تھے، اور کبھی کسی قسم کے چندے کی وصولی کا اظہار کیا تھا، بنا بریں سو، سوا سو، ڈیڑھ سو سے زائد طلباء وہ داخل نہیں کیا کرتے تھے، صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ دلی خواہش ابھی بھی تکمیل تھی، چنانچہ حضرت صوفی صاحب نے اسی آرزو کی تکمیل کے لئے ۱۹۲۱ء میں پہلے غیر رسمی اور ۱۹۳۲ء میں باقاعدہ ایک عظیم الشان دارالعلوم کی اوڈنوالہ میں طرح ڈالی جسے ۱۹۶۵ء میں ماموں کا نجن میں منتقل کر دیا گیا، جو آج جامعہ تعلیم الاسلام کے نام سے عالمی طور پر متعارف ہے، آج اس میں بائیس مدرسین، تیرہ دیگر ملازمین اور چار صد سے زیادہ بیرونی طلباء تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں، یاد رہے حضرت صوفی صاحب نے اپنی وصیت میں فرمایا تھا کہ کسی طالب علم کا داخلہ نہ روکا جائے، اگر سالانہ امتحان کے دوران بھی طالب علم داخل ہونے کے لئے آجائے تو اسے ضرور داخل کر لیا جائے، اگر وہ تعطیلات میں علم نہیں پڑھ سکے گا تو دینی مسائل ضرور سیکھ لے گا، نیز یہ بھی فرمایا کہ کسی بھی مکتب فکر سے غیر اہل حدیث طالب علم بھی داخلہ لینا چاہے تو اسے ضرور داخلہ دیا جائے کیونکہ علم میں کوئی دوئی نہیں ہوتی، پڑھ لکھنے کے بعد وہ اپنے مسلک کا خود فیصلہ کرے گا، بحمد اللہ ہم آج بھی حضرت صوفی صاحب کی اس وصیت پر بڑے شرح و بسط سے عمل پیرا ہیں، مزید برآں اس وقت جامعہ تعلیم الاسلام ماموں

کائنات میں پاکستان کے تمام اطراف و اکناف کے طلبہ کے ساتھ ساتھ نورستان، افغانستان اور قبائل بلتستان، سری لنکا، ملائیشیا، مالدیپ کے طلباء زیر تعلیم ہیں۔ (۱)

قارئین اگر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ درحقیقت مولانا فیروز پوری صاحب کے بیان میں اور اس سے پہلے کے دونوں بیانات میں کوئی تضاد یا تعارض نہیں، جس طرح پہلے کی دونوں تحریروں میں مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کو مدرسہ کی تاسیس کا محرک گردانا گیا ہے، اسی طرح فیروز پوری صاحب کی تحریر میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ ایک اچھے اہل حدیث مدرسہ کے قیام کی ضرورت کو لے کر صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی خدمت میں پہنچے تھے جس پر ”مولانا نے ڈاکٹر سید محمد فرید کو ریاست دربھنگہ میں دینی مدرسہ قائم کرنے کا حکم دیا“، ”لیکن صوفی صاحب کی تمنا ابھی تشنہ تکمیل تھی، چنانچہ آپ مولانا رحیم آبادی کے تائید سے حاجی عبدالرحمن مرحوم کے پاس دہلی پہنچے..... حاجی عبدالرحمن صاحب صوفی صاحب کی اس گفتگو اور تحریک اور مولانا رحیم آبادی کی تائید سے بہت متاثر ہوئے اور وعدہ فرمایا کہ بہت جلد آپ کی اس دینی خواہش کی تکمیل کے لئے ایک عظیم الشان دینی ادارہ قائم کر لیا جائے گا۔“

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حاجی صاحب کے وعدہ کرنے اور مدرسہ قائم کرنے کے بیچ کے وقفہ میں ان کے بھانجے کے گم ہونے اور ملنے کا وہ حادثہ پیش آیا جس کا ذکر مولانا رحیم آبادی کی سوانح حیات میں آیا ہے، مولانا رحیم آبادی اس وقت دہلی میں موجود تھے اور موقع کو غنیمت جانتے ہوئے دونوں بھائیوں کو مدرسہ قائم کرنے کے پروگرام کو عملی طور پر نافذ کرنے کا مشورہ دیا، اور اس طرح مدرسہ کی تاسیس عمل میں آئی۔

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی جو دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ التحصیل اور وہاں کے مدرس رہ چکے ہیں انہوں نے دارالحدیث رحمانیہ کے قیام کا پس منظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”دارالحدیث رحمانیہ کی تاسیس کا پس منظر“:

”جب ہندوستان میں آفتاب اسلام ضیا پاشیاں کرتا ہوا جلوہ فگن ہوا تو یہاں بھی علمی چرچے شروع ہوئے، اور ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے لوگوں کو شاہراہ اسلام پر استوار اور گامزن کرنے کے لئے جدوجہد شروع کر دی، اس جماعت کی برکت سے قال اللہ اور قال الرسول کی صداکشور ہندوستان میں گونجنے لگی، مگر اس بابرکت جماعت کے اولوالعزم حضرات آہستہ آہستہ اٹھنے شروع ہوئے، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحاق اور مولانا سید نذیر حسین صاحب جیسے برگزیدہ باکمال حضرات علمی چشمے بہاتے ہوئے آخرت کو سدھار گئے، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔“

شیفہگان حدیث گونا گوں مصائب اور بقلموں نوائب میں گرفتار ہو گئے، نہ ان کے لئے کوئی جامع درس گاہ تھی اور نہ صحیح معنی میں تربیت کا کوئی اہتمام، الحاد کا سیلاب عظیم ہر طرف تلاطم خیزی سے بڑھ رہا تھا، دہریت کی مسموم ہوائیں چہار جانب چل رہی تھیں، طالبان دین کی کوئی وقعت باقی نہ رہی تھی، ضرورت تھی کہ دین اسلام کی صحیح تعلیم اور اعداء اسلام کے حملوں کو روکنے کے لئے دوسرے فنون معقول اور ادب وغیرہ سے مسلمانوں کو بخوبی آگاہ کرایا جائے، دہلی ہمیشہ سے علم کا گہوارہ بنی رہی، لیکن اس وقت دہلی کی حالت بھی بہت کمزور ہو رہی تھی، طلبہ کی رہائش و طعام کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، عموماً مسجدوں میں پڑے رہتے تھے، معمولی وظیفہ مل جاتا تھا، جس سے اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر سخت تکالیف برداشت کر کے اپنا پیٹ پال لیا کرتے تھے، اہل محلہ کے گھروں میں روٹی مقرر ہو جاتی تھی، جسے خود جا کر لاتے، اس طرح ان کی خودداری اور حریت جذبات کو سخت ٹھیس لگتی تھی، ہر وقت کسمپرسی، بے بسی و بے کسی کی حالت میں رہتے، ساتھ ہی منقول و معقول کی پڑھائی کا کوئی اعلیٰ انتظام نہ تھا کہ تشنگان علم کی سیرابی ہو سکے، انہی حالات سے متاثر ہو کر ان نقائص کو دور کرنے کے لئے اور تعلیم اسلام کو عروج پر لانے کے لئے مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ علمائے اہل حدیث یکے بعد دیگرے اٹھتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں، تعلیم و تعلم کے باقاعدہ سلسلے ٹوٹ رہے ہیں، کوئی جامع درس گاہ موجود نہیں، اس لئے کوئی ایسی درس گاہ قائم کی جائے جس کی وجہ سے گزرنے والوں کی نیابت ہو سکے اور جماعت موحدین قبل از وقت لقمہ اجل نہ بن جائے، چنانچہ یہ تجویز مولانا نے جناب حاجی شیخ عبدالرحمن مرحوم کے سامنے پیش کی، جس کو انہوں نے بسر و چشم قبول کر لیا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں ہو گئے، کوئی بھی ایسا شخص جس کے دل میں اسلامی تڑپ اور ایمانی جذبہ موجزن ہو، وہ ان حالات و کوائف سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ حاجی صاحب موصوف اس ذہنی خاک کو منصفہ شہود پر لانے کے لئے ہمہ تن مصروف ہو گئے، کسی نہ کسی طرح زمین حاصل کی اور اسی وقت تعمیر سلسلہ شروع ہو گیا، چونکہ حاجی صاحب موصوف الصدر اور ان کے محترم برادر شیخ عطاء الرحمن صاحب تمام کاروبار میں شریک تھے، اس لئے ان دونوں کے مشترکہ سرمایہ سے دارالحدیث کی خوشنما عمارت ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں تقریباً ایک لاکھ روپے سے بن کر تیار ہو گئی، اس تعمیر سلسلہ میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی دونوں حضرات کو اپنے بہترین مشوروں اور آراء سے مستفیض فرماتے رہے تھے۔ (۱)

اٹھائیسویں اہل حدیث کانفرنس (پاکوڑ) کے انعقاد کے موقع پر شائع ہونے والے یادگار مجلہ میں بھی دارالحدیث رحمانیہ کے قیام کا پس منظر کچھ اسی انداز میں بیان کیا گیا ہے، مجلہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”برصغیر ہندوپاک میں اس مدرسہ کے قیام سے پہلے بھی اہل حدیث مکتب فکر کے حامل بے شمار مدارس و مکاتب قائم تھے اور اسلام کی نشر و اشاعت، کتاب و سنت کی ترویج و ترقی، شرک و بدعات کی تردید، تقلید و جمود کی تغلیط اور باطل افکار و خیالات کے قلع قمع کرنے میں اپنی بساط کے مطابق مصروف عمل تھے، لیکن پھر بھی ایک ایسے مثالی دارالحدیث کی شدت سے

ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو تحریک اہل حدیث اور احیاء کتاب و سنت کا حقیقی مرکز اور مثالی گہوارہ ہو، جہاں سے ایسے بے مثال علماء، عدیم النظیر مناظر، جلیل القدر محدث اور قادر الکلام مقرر و خطیب پیدا ہوں جو ملک و ملت کی کتاب و سنت کی روشنی میں حقیقی معنوں میں رہنمائی کر سکیں۔

اسی اہم ضرورت کے پیش نظر مجاہد اسلام علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۳ھ) کی ترغیب و ایماء پر پرانی دہلی کے مشہور و معروف تاجر شیخ عبدالرحمن (م ۱۹۲۱ء) اور ان کے برادر صغیر شیخ عطاء الرحمن (م ۱۹۳۸ء) نے ماہ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو باڑا ہندو اور دہلی میں دارالحدیث کا سنگ بنیاد رکھا۔

دریں اثنا اس مدرسہ کے قیام کی ضرورت کو ایک واقعہ نے مزید تقویت دی... (۱)
اس کے بعد مولانا محمد اسلم فیروز پوری کے ذکر کردہ واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جس کا گذشتہ صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے، اس تحریر میں یہ صراحت موجود ہے کہ مولانا فیروز پوری کا ذکر کردہ واقعہ رحمانیہ دہلی کی تاسیس کا سبب وحید نہیں، بلکہ پہلے سے موجود اسباب اور تقاضوں کو تقویت پہنچانے کا موجب ہوا۔

(جاری)



اعلان داخلہ

طلبہ علوم نبویہ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ جامعہ سلفیہ بنارس سے ملحق ہے، مدرسہ ہذا سے فراغت کے بعد طلبہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ کے مجاز ہوں گے۔
لہذا شعبہ عربی، اولیٰ متوسطہ تا ثالثہ کلیہ اور شعبہ حفظ و تجوید میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ اپنی درخواستیں مورخہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ تک ذیل کے پتہ پر ارسال کر کے داخلہ اور وظیفہ کی منظوری حاصل کر لیں۔

والسلام
محمد انور علی آردی
مساعدا نظم و خازن مدرسہ احمدیہ سلفیہ ملکی محلہ، آرہ
ضلع بھوپور، بہار

Md. Anwar Ali Arvi
(Mosayed Nazim & Khazin)
Madrasa Ahmadiya Salafia
Milki Mohallah, Arrah - 802301
Bihar (India)

انسان کے تخلیقی مراحل اور انجام آخرت

تحریر: ابو زکریا یحییٰ بن شرف النوی دمشقیؒ

ترجمہ: پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

کامیابی و ناکامی کی بنیاد زندگی کے آخری اعمال پر ہے:

عن أبی عبد الرحمن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدق: "إن أحدكم يُجمع خَلْقُهُ في بطن أمه أربعين يوماً نطفة، ثم يكون علقة مثل ذلك، ثم يكون مضغة مثل ذلك، ثم يرسل إليه الملك فينفخ فيه الروح، ويؤمر بأربع كلمات: بكتب رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أو سعيد، فوالله الذي لا إله غيره! إن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار، فيدخلها، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار، حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل الجنة، فيدخلها". (رواه البخاري ومسلم)

ابو عبد الرحمن، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں صادق مصدوق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کی تخلیق یوں ہوتی ہے کہ وہ والدہ کے پیٹ میں چالیس یوم تک نطفہ کی صورت میں، اس کے بعد اتنے ہی روز جمے ہوئے خون کی شکل میں پھر اسی طرح گوشت کے ٹوٹھڑے کی صورت میں رہتا ہے، بعد ازاں اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ آکر اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے اس پیدا ہونے والے کے متعلق چار باتیں رزق، عمر، عمل اور اس کے شقی (بد بخت) یا سعید (نیک بخت) ہونے کے متعلق، لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں تم میں سے کوئی آدمی اہل جنت کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے مابین صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو اس پر وہ سابقہ تحریر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص اہل جہنم کا ساعل کر کے جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایک شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو وہ سابقہ تحریر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص اہل جنت کا ساعل کر کے جنت میں چلا جاتا ہے"۔ (صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ج: ۸، ۳۲۰، ۳۳۳، ۶۵۹، ۷۴۵)

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث مبارک میں انسان کے تخلیقی مراحل، تقدیر اور آخرت کے انجام کے متعلق فرمایا ہے۔ انسانیت کی ابتدا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، ان کے متعلق قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے کہ ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، بعد ازاں حضرت حوا کو پیدا کیا گیا اور پھر اس جوڑے سے ان کی نسل اور اولاد پھیلی۔

نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا مادہ تخلیق جسے ”نطفہ“ کہا جاتا ہے وہ رحم مادر میں پہنچ کر چالیس دن تک اسی کیفیت میں رہتا ہے اور اس کا خمیر تیار ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے مرحلے میں ”علقة“ یعنی جامد خون کی شکل میں بدل جاتا ہے، یہ حالت بھی صرف چالیس یوم تک رہتی ہے، اس کے بعد وہ تیسرے مرحلے میں ”مضغہ“ یعنی گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے، یہ حالت بھی چالیس دن تک رہتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان کو ”کن“ کہہ کر ایک لمحہ سے بھی پہلے پیدا کر سکتا ہے، لیکن اس کی مشیت ہے کہ انسان کی تخلیق تدریجاً ہو، اس میں لا تعداد مصالح اور حکمتیں ہیں، مثلاً:

(۱) اگر بچہ رحم مادر میں یہ تمام مراحل یکدم طے کر لے تو ماں کے لئے اس کا برداشت کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے، یہ مختلف مراحل ماں کے لئے سہولت کا باعث ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی قدرت و کبریائی کا اظہار بھی ہے، انسان اگر اپنی تخلیق کے ان مراحل پر ذرا غور کرے تو غور و تکبر سے باز رہے، قرآن مجید میں بار بار انسانوں کو اپنی حقیقت پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ بد بودار پانی کے قطرے سے انسان بنانے پر قادر ہے تو مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا بھی اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

(۴) اس میں انسانوں کو یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ انہیں اپنے تمام معاملات کو اطمینان سے تدریجاً سرانجام دینا چاہئے، غلت میں کوئی فائدہ نہیں، قدرت و طاقت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کو دفعتاً پیدا نہیں کیا، زمین و آسمان چھ دنوں میں پیدا کئے، لہذا انسان کو بھی جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔

ان کے علاوہ بھی اس میں لا تعداد مصلحتیں ہوں گی، اہل علم غور کر سکتے ہیں، چالیس چالیس دن کے تین مراحل مکمل ہونے کے بعد اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو آکر اس میں روح پھونکتا اور اس کے متعلق چار امور لکھ دیتا ہے۔

رزق، عمر، عمل اور انجام یعنی شقی ہوگا یا سعید، یہ امور انسان کی تقدیر کہلاتے ہیں، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کی تقدیر زمین و آسمان کی تخلیق سے بھی بہت پہلے لوح محفوظ میں ثبت ہے، یہ لکھنا لوح محفوظ میں لکھنے سے الگ ہے، لوح محفوظ تو پوری کائنات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہے، جبکہ اس تحریر کا تعلق صرف پیدا ہونے والے اس ایک فرد سے ہوتا ہے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس فرد سے متعلق جو کچھ ہوتا ہے فرشتے پر اس کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔

تقدیر کے مسئلہ میں اکثر لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ ہمارے نیک و بد ہونے اور جنتی یا جہنمی ہونے کے فیصلے پہلے ہی ہو چکے ہیں تو اب عمل کرنے کا فائدہ یا ضرورت کیا ہے؟ یہ سب تقدیر سے لاعلمی کی بنا پر ہے، تقدیر محض اللہ تعالیٰ کے علم کا نام

ہے، اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کی روشنی میں ہر انسان کے بارے میں پہلے سے جانتا ہے کہ یہ شخص کس قسم کے اعمال کرے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس میں جبر نام کی کوئی چیز نہیں، یہی وجہ ہے کہ عمل کرنے میں انسان کو مکمل طور پر اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو راہ چاہے اختیار کرے، اس کی اپنی مرضی ہے، ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا:

”اعملوا فكل میسر لما خلق له“ (صحیح البخاری، التفسیر، باب فسنیسرہ للعسری، ح:

۴۹۴۹ وصحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن أمه، ح: ۲۶۴۷)

”تم عمل کرتے رہو، ہر ایک کو اس عمل کی توفیق مل جائے گی جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔“

نیز دیکھیں کہ انسان کے رزق کے متعلق بھی تو فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ شخص فلاں فلاں رزق کھائے گا وہ رزق اسے لامحالہ مل کر رہے گا لیکن اس ایمان کے باوجود انسان حصول رزق کے لئے مکمل محنت کرتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اسی طرح اس کی عمر کے متعلق بھی پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے، اس کے باوجود اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے ہزاروں جتن کرتا ہے اور حوادث و خطرات سے بچنے کے لئے پوری کوشش کرتا ہے، حالانکہ موت برحق ہے، اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت آئے گا، لیکن موت پر یقین کے باوجود ممکن حد تک انسان اپنے آپ کو خطرات سے بچاتا ہے، اسی طرح انسان چونکہ اپنے متعلق نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا انجام کیا لکھا ہے اسے اپنا انجام بہتر بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرنی چاہئے۔

شقی یا سعید

جس شخص میں حق کو قبول کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے کی صلاحیت ہو اور وہ حق کے مطابق نیک اعمال کرے تو وہ سعید ہوتا ہے اور اس کے برعکس شخص کو شقی (بد بخت) کہا جاتا ہے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، کوئی شخص ساری زندگی اہل جنت کے اعمال (صالحہ) کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ جنت میں جانے کے قریب ہوتا ہے کہ وہ نوشتہ اس پر غالب آ جاتا ہے اور وہ کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جس کے نتیجے میں وہ جہنم رسید ہو جاتا ہے، اسی طرح کوئی شخص برے اعمال کر کے جہنم میں جانے والا ہو جاتا ہے کہ اس پر سابقہ تحریر غالب آ جاتی ہے اور وہ توبہ اور نیک اعمال کر کے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ اس تحریر کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ انسان کے اپنے کئے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے یا کسی دوسرے شخص کے ظاہری اعمال صالحہ کو دیکھ کر اس کے قطع جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، نامعلوم آئندہ زندگی میں اس کے اعمال کیسے ہوں؟ اسی طرح اس کے گناہوں کو دیکھ کر قطع جہنمی ہونے کا فیصلہ کرنا بھی

مشکل ہے، عین ممکن ہے کہ وہ توبہ کر لے اور نیک عمل کر کے اپنے رب کو راضی کر لے، اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو، زندگی کے آخری لمحہ تک نیکی یا بدی کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔

اس حدیث میں نیک اعمال کی ترغیب ہے کہ شاید یہی زندگی کا آخری لمحہ ہو، اسی طرح گناہوں سے نفرت دلائی گئی ہے، نامعلوم یہ وقت زندگی کا آخری لمحہ ہو اور گناہ کرتے ہوئے موت آگئی تو انجام بخیر نہ ہو، کیونکہ انسان کو اپنی موت کا کوئی علم نہیں کہ کب آجائے، اس لئے اسے ہر وقت اس کی فکر ہونی چاہئے، اسی لئے نبی ﷺ نے یہ دعا تعلیم فرمائی:

”یا مقلب القلوب! ثبت قلبی علی دینک“۔ (صحیح الجامع الصغیر للہبانی، ج: ۷۸۷)

”اے دلوں کو پھیرنے والے (اللہ)! میرے دل کو دین پر ثابت رکھ“۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے، آمین۔

(ماخوذ از: شرح اربعین نووی)

☆☆☆

اعلان

فارغین و فارغات مدارس اسلامیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جامعہ امام ابن تیمیہ مدینۃ السلام کے ممتاز تعلیمی و تربیتی شعبہ ”المعهد العالي للتخصص في التدريس والتربية“ (Higher Institute for Teacher's Training) اپنا تعلیمی سال کامیابی کے ساتھ مکمل کرنے جا رہا ہے اور دوسرے تعلیمی سال کے لئے داخلہ کی کارروائی شروع کی جا چکی ہے، اس اہم اور تعلیمی و تربیتی شعبہ میں داخلہ کے خواہش مند حضرات درخواست کے ذریعہ اپنا نام رجسٹرڈ کرائس اور مورخہ ۱۶، ۱۷ اگست ۲۰۰۹ء کو منعقد ہونے والے داخلہ امتحان میں شریک ہوں۔
واضح رہے کہ معہد عالی اپنے طلبہ و طالبات کو ہر طرح کی سہولت کے ساتھ ماہانہ ایک ہزار روپے بطور اسکالرشپ ادا کرتا ہے۔
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نور الاسلام مدنی

مدیر المعهد العالي

خط و کتابت کا پتہ:

Md. Arshad Madni
Jamia Imam Ibne Taimiya
Madinatussalam
At/Post. Chandanbara
Via. K. Chainpur
Distt. E. Champaran Pin: 845312
Mobile: 9431032739

غسل کے احکام و مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں

(۲)

مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی

مکتب دعوت و توعیۃ الجالیات، سعودی عرب

(۲) بحالت جنابت کون سے کام حرام ہیں:

جنابت سے مراد وہ ناپاکی ہے، جو احتلام یا بیوی سے ہم بستری کرنے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے، چنانچہ بحالت جنابت مندرجہ ذیل کام حرام ہیں:

(۱) نماز:

دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿يا أيها الذين آمنوا لا تقربوا الصلاة وأنتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون ولا جنباً إلا عابري سبيل حتى تغتسلوا﴾ (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو، تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں، جب تک کہ غسل نہ کرلو، ہاں اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے۔

(۲) خانہ کعبہ کا طواف:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خانہ کعبہ کا طواف نماز ہے مگر یہ کہ اللہ نے اس میں گفتگو کو جائز کر دیا ہے۔ (نسائی: ۲۹۲۵، ترمذی: ۹۶۰، مستدرک حاکم ۶۳۰/۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۱۵۴/۱، صحیح النسائی ۳۲۰/۲)

(۳) قرآن کریم کا چھونا اور اس کا پڑھنا:

بحالت جنابت قرآن کریم کا چھونا یا زبانی پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (موطأ امام مالک، القرآن، باب الأمر بالوضوء لمن مس القرآن، دارقطنی، الطہارۃ، باب فی نھی المحدث عن مس القرآن: ۴۳۹، ج ۱ ص ۲۱۹، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۱۵۸/۱، امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔) (دیکھئے:

مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۶)

علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ہر حال میں قرآن کریم پڑھاتے تھے الا یہ کہ جنبی ہوں۔ (ترمذی، الطہارۃ، باب ماجاء فی الرجل یقرأ القرآن علی کل حال: ۱۴۶، ابوداؤد: ۲۲۹، النسائی: ۲۶، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ”یہ حدیث حسن صحیح ہے“، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری ۴/۸۱“ میں اس حدیث کے ذکر کے بعد کہا: ”اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے، محدثین نے اس کے ایک راوی کو ضعیف قرار دیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث حسن کی قبیل سے لائق حجت ہے“، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ج ۲ ص ۲۴۱)

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جنبی کے لئے غسل کئے بغیر قرآن مجید سے دیکھ کر یا زبانی تلاوت کرنا جائز نہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

”أنه كان لا يحجزه شيء عن القرآن الا الجنابة“.

جنابت کے سوا اور کوئی چیز آپ ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں روکتی تھی۔

ہاں البتہ جنبی کے لئے قرآن مجید کے سننے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کے لئے یہ مستحب ہے، کیونکہ اس میں بہت

فائدہ ہے، البتہ وہ قرآن مجید کو ہاتھ لگا سکتا نہ دیکھ کر پڑھ سکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔ (فتاویٰ اسلامیہ ج ۱ ص ۲۲۲)

(۴) مسجد میں ٹھہرنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وجھوا هذه البيوت عن المسجد فاني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب“.

ان گھروں کو مسجد سے پھیر لو، کیونکہ میں مسجد کو حائضہ یا جنبی کے لئے حلال قرار نہیں دیتا۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب فی

الحجب یدخل المسجد: ۲۳۲، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ”میں اس حدیث کی سند میں کوئی حرج

نہیں سمجھتا ہوں، ابن خزیمہ نے اس کو صحیح اور ابن القطان نے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: تلخیص الحییر ۱۴۰/۱)

لیکن ضرورت کے تحت مسجد میں ٹھہرے بغیر صرف گزر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ولا جنبا

الا عابري سبيل حتى تغتسلوا﴾ کا ایک مفہوم مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ تم بحالت جنابت مسجد میں نماز کے لئے

نہ جاؤ الا یہ کہ مسجد کے اندر سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہو۔ (دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۴۶/۳)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: مجھے مسجد سے چٹائی دے دو، وہ بیان کرتی ہیں

کہ میں نے کہا: میں تو حالت حیض میں ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (مسلم، الحيض، باب جواز غسل الخائض رأس زوجها، ج: ۲۹۸، ترمذی، الطہارۃ، باب ماجاء فی الخائض تتناول اشیء من المسجد ج: ۱۳۴) معلوم ہوا کہ بڑی ناپاکی کی صورت میں مسجد سے صرف گزر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر بوجہ ضرورت مسجد میں بیٹھنا چاہے، تو وضو کر لے، پھر بیٹھے، کیونکہ وضو کر لینے کی وجہ سے ناپاکی ہلکی ہو جائے گی۔ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے، پھر نماز جیسا وضو کر کے مسجد میں بیٹھتے تھے۔

سنن سعید بن منصور ص ۶۴۶، امام زرکشی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح مسلم کی شرط پر ہے، دیکھئے: اعلام الساجد باحکام المساجد للزرکشی ص: ۳۱۵ (۳) کن کاموں کے لئے غسل مستحب ہے: مندرجہ ذیل کاموں کے لئے غسل مستحب ہے: (۱) جمعہ کے دن کا غسل:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اذا جاء أحدكم الجمعة فليغتسل“ جب تم میں سے کوئی شخص نماز جمعہ کے لئے آئے تو اسے غسل کرنا چاہئے۔ (بخاری، الجمعة، باب فضل غسل يوم الجمعة، ج: ۸۷۷، مسلم، الجمعة، باب کتاب الجمعة، ج: ۸۴۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حق على كل مسلم أن يغتسل في كل سبعة أيام، يوما يغسل فيه رأسه وجسده.“ ہر مسلمان پر حق ہے کہ ہفتہ میں ایک دن (جمعہ کو) غسل کرے، اس میں اپنا سر اور بدن دھوئے۔ (بخاری، الجمعة، باب هل علي من يشهد الجمعة غسل، ج: ۸۹۷، مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك، ج: ۸۴۹) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم.“ جمعہ کے دن غسل ہر بالغ پر واجب (مؤكد) ہے۔ (بخاری، الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة: ۸۷۹، مسلم، الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال، ج: ۸۴۶)

یہاں پرواجب اور حق کا معنی موکد کے ہیں۔ (دیکھئے: نیل الاوطار للشوکانی ج ۱ ص ۳۳۲، شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۹) مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا نہایت ہی پسندیدہ از روئے شرع مستحب و موکد ہے، ایسا لازمی نہیں کہ اس کا تارک گناہ گار ہو۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فهو أفضل“۔

جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو اس نے اچھا اور بہتر کیا اور جس نے غسل کیا تو افضل ہے۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب فی الرخصة فی ترک الغسل يوم الجمعة، ح: ۳۵۴، ترمذی: ۴۹۷، نسائی، ح: ۱۳۷۸، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، نیز علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد: ۷۲۱، ح: ۳۴۱، مشکاۃ المصابیح: ۱۱۸/۱، ح: ۵۴۰) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة فاستمع وأنصت غفر له ما بينه وبين الجمعة وزيادة ثلاثة أيام ومن مس الحصا فقد لغا“۔

جس نے وضو کیا اور خوب اچھی طرح وضو کیا، پھر جمعہ پڑھنے آیا اور خاموش ہو کر خطبہ سنا تو اس کے لئے جمعہ سے جمعہ تک اور تین دن زیادہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس نے (خطبہ کے دوران) کنکری کو بھی چھوا اس نے لغو کام کیا۔ (مسلم، الجمعة، باب من استمع وانصت فی الخطبة ح: ۸۵۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی بابت فرماتے ہیں:

”یہ حدیث غسل جمعہ کے واجب نہ ہونے کی ٹھوس دلیل ہے“۔ (دیکھئے: تلخیص الخیر ج ۲ ص ۶۷)

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”غسل جمعہ سنت موکدہ ہے“۔ (فتاویٰ اسلامیہ ج ۱ ص ۴۱۹)

(۲) احرام کا غسل:

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے احرام کے لئے اپنے کپڑے اتارے اور غسل کیا۔ (ترمذی، الحج، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام، ح: ۸۳۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ج ۱ ص ۷۸، ح: ۱۴۹)

(۳) مکہ میں داخل ہونے کا غسل:

نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حرم کے قریب پہنچتے تو تلبیہ بند کر دیتے، پھر

ذی طوی میں رات گزارتے، وہاں صبح کی نماز پڑھتے اور غسل کرتے اور بتاتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔ (بخاری، الحج، باب الاغتسال عند دخول مکة ح ۱۵۷۳، مسلم، الحج، باب استحباب المبيت بذي طوی عند اعادة دخول مكة ح: ۲۲۷۱/۱۲۵۹)

(۴) عرفہ کے دن کا غسل:

نافع بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ احرام باندھنے سے پہلے اپنے احرام کے لئے مکہ میں داخل ہونے کے لئے اور عرفات میں ٹھہرنے کے لئے عرفہ کی شام میں (ظہر کے بعد) غسل کیا کرتے تھے۔ (موطا امام مالک، کتاب الحج باب الغسل لئلا يهلل، ح: ۳)

علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جمعہ، عرفہ، عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن غسل کرنا چاہئے۔ (بیہقی ۲۷۸/۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۱۷۶/۱)

(۵) ہر جماع کے بعد غسل کرنا:

رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن اپنی تمام عورتوں کے پاس گئے، ہر ایک کے پاس غسل کرتے تھے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ سب سے فارغ ہو کر ایک بار غسل کیوں نہ کر لیتے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (یعنی ہر جماع کے بعد غسل کر لینا) زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہے۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب الوضوء لمن أراد أن يعود، ح: ۲۱۹، ابن ماجہ ۵۹۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد: ۴۳۱، ح: ۲۰۳، آداب الزفاف ص: ۳۵)

(۶) میت کو غسل دینے والا غسل کرے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من غسل الميت فليغتسل ومن حملة فليتوضأ“۔

جو شخص مردے کو غسل دے اسے چاہئے کہ وہ خود بھی غسل کرے اور جو اس کو اٹھائے وہ وضو کرے۔ (ابوداؤد، الجنائز، باب فی الغسل من غسل الميت، ح: ۳۱۶۱، ترمذی: ۹۹۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۱۷۳/۱، ح: ۱۴۴)

علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

”حکم دینے سے غسل کرنا بظاہر ضروری محسوس ہوتا ہے، لیکن دیگر دلائل کو سامنے رکھیں تو واجب نہیں بلکہ مستحب اور بہتر معلوم ہوتا ہے“۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”لیس علیکم فی غسل میتکم غسل اذا اغتسلتموه فان میتکم لیس بنجس فحسبکم أن تغسلوا أیدیکم“۔

جب میت کو غسل دو تو تم پر غسل کرنا ضروری نہیں، کیونکہ تمہارے مردے نجس نہیں ہوتے، بس اپنے ہاتھ دھو لو یہ کافی ہے۔ (مستدرک حاکم: ۳۸۶/۱، سند حسن ہے)

(۲) (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

”کنا نغسل المیت فمنا من یغتسل ومنا من لا یغتسل“۔ (دارقطنی: ۷۲/۲، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲۴، سند صحیح ہے)

”ہم میت کو غسل دیا کرتے تھے، پھر ہم میں سے کوئی غسل کر لیتا تھا اور کوئی نہیں کرتا تھا“۔ (احکام الجنائز للبانی ص ۹۷) عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے انہیں غسل دیا، پھر وہاں پر موجود مہاجرین کے پاس آئیں اور ان سے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں اور آج سخت ٹھنڈک کا دن ہے، تو کیا میرے اوپر غسل کرنا واجب ہے، انہوں نے کہا: نہیں۔ (موطا امام مالک، الجنائز، باب غسل المیت ج: ۳) معلوم ہوا کہ جو شخص میت کو غسل دے اس کے لئے غسل کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے تاکہ اگر چھٹیوں وغیرہ پڑ گئی ہوں تو اس سے صفائی حاصل ہو جائے۔

فتویٰ کمیٹی سعودی عرب نے بھی مستحب ہونے کا فتویٰ جاری کیا ہے۔ (فتاویٰ اللجنة الدائمة ۳۱۸/۵)

(۷) مشرک کو دفن کرنے کے بعد غسل کرنا:

علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا) تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنے باپ کو دفن کرو، پھر میرے پاس آنے تک کوئی کام نہ کرنا، علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دفن کر حاضر ہوا، آپ نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا، میں نے غسل کیا، آپ ﷺ نے میرے حق میں دعا فرمائی۔ (ابوداؤد، الجنائز، باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک، ج: ۳۲۱۴، نسائی: ۱۹۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح النسائی ج ۱۸۴، تمام الممۃ، ص: ۱۲۳)

(۸) بے ہوشی کے بعد غسل کرنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا: کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، ہم نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم نے ایسا ہی کیا، پس آپ ﷺ نے غسل فرمایا، پھر کھڑے ہونا چاہا مگر غشی طاری ہو گئی، جب ہوش

آیا تو پھر فرمایا: لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، ہم نے ایسا ہی کیا، پس آپ نے غسل فرمایا، پھر کھڑا ہونا چاہا، لیکن بے ہوشی طاری ہو گئی، پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا: کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، ہم نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، فرمایا: میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، پس اٹھ بیٹھے اور غسل کیا، پھر کھڑا ہونا چاہا مگر بے ہوشی طاری ہو گئی، افاقہ ہوا تو فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، اور لوگ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کا عشاء کی نماز میں انتظار کر رہے تھے، بالآخر آپ نے ابو بکر کو کہلا بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (بخاری، الاذان، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ، ج: ۶۸، مسلم، الصلاة، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر من مرض وسفر وغیرہا من یصلی بالناس، ج: ۴۱۸)

آپ ﷺ نے تین بار غسل فرمایا، حالانکہ آپ بیماری سے بوجھل تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ بے ہوشی کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔ (نیل الاوطار للشوکانی ج ۱ ص ۳۴۵)

(۹) استحاضہ والی عورت کا ہر نماز کے لئے یا دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کے لئے غسل کرنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے زمانہ میں استحاضہ سے دوچار ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب من روى أن المستحاضة تتغسل لكل صلاة ج: ۲۹۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد: ۵۸۱/ ج: ۲۷، تمام المنة ص ۱۲۲)

اور جب حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھ بکثرت مسلسل خون آتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں، ان دونوں میں سے جس پر چاہو عمل کرلو، وہ تمہارے لئے کافی ہوگا اور اگر دونوں پر عمل کرلو تو تمہاری مرضی، پھر آپ ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: اور اگر تم یہ کر سکتی ہو کہ نماز ظہر کو مؤخر کرو اور عصر میں جلدی کرو اور غسل کر کے ان دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لو اور مغرب کو مؤخر کرو اور نماز عشاء کو جلدی کرو اور غسل کر کے ان دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لو اور نماز فجر کے لئے ایک غسل کرو، اگر یہ کر سکتی ہو تو ایسا کرلو اور روزے بھی رکھو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ دوسری بات مجھے زیادہ پسند ہے۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب من قال اذا قبلت الحيضة تدع الصلاة ج: ۲۸۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد: ۵۶۱/ ج: ۲۶، الثمر المستطاب ص ۳۹، ارواء الغلیل ج ۱ ص ۲۰۲)

(۱۰) دخول اسلام کا غسل:

ان لوگوں کی رائے کے مطابق جنہوں نے دخول اسلام پر غسل کو مستحب کہا ہے۔

(۱۱) عیدین کے دن کا غسل:

عید کا غسل مستحب ہے۔ (المغنی ۳/ ۲۵۶، البدائع والصنائع ۱/ ۲۷۹)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عیدین کے دن کے غسل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے، اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ غسل، غسل جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے مستحب ہے۔“
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان هذا يوم عيد جعله الله للمسلمين فمن جاء الى الجمعة فليغتسل وان كان طيب ليمس منه وعليكم بالسواك“۔

یقیناً اس (جمعہ کے دن) کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے عید بنایا ہے، پس جو شخص جمعہ کے لئے آئے، اس کو چاہئے کہ غسل کرے اور اگر خوشبو میسر ہو تو اس کو استعمال کرے اور تم اپنے اوپر مسواک کو لازم کرلو۔ (ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلاۃ باب ما جاء في الزينة يوم الجمعة ح ۱۰۸۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/۱۸۱، ح: ۹۰۱، صحیح الترغیب والترہیب ۱/۴۴۲، ح: ۷۰۷)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جمعہ کے دن غسل کرنے، خوشبو لگانے اور مسواک کرنے کا سبب رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان کیا ہے کہ جمعہ عید کا دن ہے۔“ (المغنی ۳/۲۵۷)

تو عید کے دن ان تینوں کاموں کا کرنا زیادہ اہم اور پسندیدہ ہوگا۔

علاوہ ازیں امام مالک رحمہ اللہ نے نافع سے روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔ (موطا امام مالک، العیدین، باب العمل في غسل العیدین والنداء فیہما والاقامۃ ح ۲، مسند الشافعی ۱/۷۳، ح ۳۱۸، مصنف عبد الرزاق ۳/۳۰۹، ح ۵۷۵۳)

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ مذکورہ روایت کے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”وَأَنَا أَفْعَلُهُ“ اور میں بھی غسل کرتا ہوں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”غسل عیدین کے مستحب ہونے پر سب سے اچھی دلیل سنن بیہقی (۲/۷۸۳) کی روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جمعہ، عرفہ، عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن غسل کرنا چاہئے۔“ (ارواء الغلیل ۱/۷۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عید الفطر میں تین چیزیں سنت ہیں (۱) عید گاہ پیدل چل کر جانا (۲) جانے سے پہلے کچھ کھانا (۳) غسل کرنا۔“ (ارواء الغلیل ۳/۱۰۴)

(جاری)

عیادت مریض کی فضیلت

اجمل حسین عبدالعزیز سلفی / صاحب گنج
استاذ مرکز السلام تعلیمی شری کنڈ جھارکھنڈ

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عیادت سے مریض کی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے اور اس کی ذات کے بہترے پہلو جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے کھل کر سامنے آ جاتے ہیں، مریض پر عیادت کا اچھا اثر بھی پڑتا ہے، اور اس کے ذہن و دماغ میں فطری طور پر یہ احساس ابھرتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا ہے جو اس کے دکھ درد، آلام و مصائب اور بچپانگی و لاچارگی کو سننے کے لئے تیار ہے۔

واضح رہے کہ یہ حصول ثواب کا بہترین ذریعہ ہے جو مریض و بیمار پرس دونوں کے لئے ہے چنانچہ عیادت مریض کی بدولت انسان دنیاوی و اخروی فوز و فلاح سے ہمکنار ہو سکتا ہے، ایک پر لطف و خوشگوار زندگی گزار سکتا ہے، اخوت و بھائی چارگی، ایثار و قربانی، رحم و کرم اور محبت و شفقت کا پیکر مجسم بن سکتا ہے، کیونکہ آپسی صحیح تعلقات کی وسعت، اصلاح معاشرہ اور قوم و ملت کی ارتقائی منازل کا راز اس میں مضمر و پنہاں ہے، بلکہ زندگی اور اس کے مختلف شعبوں میں انسان کی کامیابی اور اس پر بالا دستی ذہن و دماغ اور صحت مند جسم کی دین ہے جو کہ قدرت نے اسے عطا کیا ہے جس کی حفاظت و پاسبانی بالخصوص دخول جنت کے لئے معاون و کار گر ثابت ہوگی، لیکن ہم مسلمانوں نے اس مبارک سنت کو فراموش کر دیا ہے، بلکہ بعض حاسد انسان دوسروں کی بیماری پر اپنی فرحت و انبساط کا اظہار زبانی و قلمی طاقت سے کرنے کے لئے پوری طرح کوشاں رہتے ہیں، اور طعن و تشنیع گالی گلوچ سے بھی گریز نہیں کرتے جب کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”سبب المسلم فسوق و قتاله کفر“ (بخاری) ترجمہ: مسلمانوں کو گالی دینا گناہ ہے اور قتل کرنا کفر ہے۔

بعض سطحی ذہن کے افراد چھوت چھات کی بیماری کے شکار ہیں جو کہ نصوص کتاب و سنن و جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق کے خلاف عمل ہے بلکہ اسلام سختی سے ان باطل عقائد کی تردید کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا عدوی ولا طيرة ولا هامة ولا صفر“ (بخاری) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مذکورہ الفاظ و کلمات کی تشریح کر دی جائے۔

عدوی: امراض متعدیہ کو کہا جاتا ہے، یعنی ایسا مرض جو ایک بیمار کی صحبت سے دوسرے صحت مند انسان میں سرایت کر جائے۔

طيرة: پرندوں کو اڑا کر شگون لینے کو کہا جاتا ہے۔

ہامہ: کی تشریح کرتے ہوئے امام الفراء کہتے ہیں کہ ”ہامہ“ رات میں اڑنے والا ایسا پرندہ جو دن میں کم اور رات میں زیادہ دیکھائی دے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ الو کی ایک قسم ہے، ابن العربی کا قول ہے کہ جاہلیت میں اس سے بھی بدشگونئی لیتے تھے۔
صفر: کی علماء نے مختلف تشریحات کی ہیں۔ مگر زیادہ صحیح و درست امام مالک کا قول ہے کہ اس مراد اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے، الغرض اس حدیث کے پیش نظر ہمیں ضعف ایمان کو دور کرنا چاہئے۔

ہمیں ان حقائق سے صحیح واقفیت اس وقت ہوگی جب کہ بنظر غائر اپنے معاشرہ کو دیکھیں گے، عوام و ناخواندہ لوگوں کے علاوہ علماء و ذمہ داران اس نیک عمل سے غافل نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام! بیماری چھوٹی ہو یا بڑی نئی ہو یا پرانی اس میں مبتلا شخص کی عیادت کی جائے چنانچہ حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ میں تکلیف تھی رسول اللہ ﷺ نے میری عیادت کی۔ (بخاری، فی ادب المفرد) معلوم ہوا کہ بیمار پرسی اسلامی بھائی چارگی کے حقوق میں سے ایک حق ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حق المسلم علی المسلم خمس ردالسلام و عیادة المریض و اتباع الجنائز و اجابة الدعوة و تسمیت العاطش“ (بخاری) ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو اسے سلام کہے یا سلام کا جواب کہے۔ (۲) جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ (۳) جب کوئی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھے۔ (۴) جب کوئی دعوت پیش کرے تو اسے قبول کرے۔ (۵) اگر کوئی چھینک میں ”الحمد للہ“ کہے تو اس کے جواب میں ”یرحمک اللہ“ کہے۔ اور مسلم کی روایت میں چھ حقوق کا ذکر ہے اور ان الفاظ کا اضافہ ہے ”اذا استنصحتک فانصحه“ اور خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کرو اسی طرح ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا جن کا حکم دیا وہ سات چیزیں یہ ہیں۔

۱- عیادة المریض - مریض کی بیمار پرسی کرنا۔

۲- اتباع الجنائز - جنازے کے ہمراہ جانا۔

۳- تسمیت العاطش - چھینکنے والے کو جواب دینا۔

۴- ردالسلام - سلام کا جواب دینا۔

۵- اجابة الداعی - دعوت قبول کرنا۔

۶- ابرار القسم - قسم والے کو سچا کرنا۔

۷- نصر المظلوم - مظلوم کی مدد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”عودو المریض و اطعموا الجائع.....“ مریض کی عیادت کرو اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ آپ ﷺ اپنی امت کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر خود جس طرح پابند رہے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

آپ ﷺ مسلمانوں، مشرکوں، یہودیوں اور منافقوں کی عیادت کے لئے جاتے تھے، اس لئے اس عمل سے لاپرواہی جرم ہے، بروز قیامت اس سے لاپرواہی برتنے والے سے باز پرس ہوگی اللہ فرمائے گا حدیث قدسی ہے: ”ان الله عز وجل يقول يوم القيامة يا ابن آدم مرضت فلم تعدني قال: يارب كيف اعودك و انت رب العالمين قال: اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده، اما علمت انك لو عدته لو جدتني عنده“ (بخاری)

قیامت کے دن اللہ دریافت فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تو تو نے میری عیادت نہیں کی وہ کہے گا اے میرے پروردگار! تو تو سارے جہاں کا پروردگار ہے میں تیری عیادت کیونکر کرتا، فرمائے گا کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

لہذا ہنوز ہم اس امر جلیل کی بجا آوری کے لئے مستعد ہو جائیں اور اس حکم کی عملی تصویر پیش کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔

صحابیات سے منقول ہے کہ وہ بھی مریضوں کی عیادت کرتی تھیں، ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار ہو گئے، حضرت ام درداء اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں بھی اس سنت پر عمل کر سکتی ہیں، خصوصاً اگر مریض اقارب میں سے ہو یا کوئی عورت ہی ہو، البتہ عورت کے ولی یا خاوند کی اجازت، پردہ کا التزام اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

مریض کی عیادت وہ کام ہے جس کے کرنے والے کے لئے اتنا بڑا ثواب ہے کہ اس کی نظیر موجود نہیں، چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ما من رجل يعود مریضاً ممسیاً الا خرج معه سبعون الف ملك يستغفرون له حتى یصبح وکان له خریف فی الجنة ومن آتاه مصباحاً خرج معه سبعون الف ملك يستغفرون له حتى یمسی کان له خریف فی الجنة“ (ابوداؤد: ۲/۴۴۲)

جو شخص کسی بیمار شخص کی دن کے اخیر حصے میں عیادت کرتا ہے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں اور فجر تک اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہوتا ہے اور جو شخص دن کے ابتدائی حصے میں عیادت کے لئے نکلتا ہے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں اور شام تک اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہوتا ہے اور ایک دوسری روایت میں اس کی فضیلت کو یوں بیان کی گئی ہے۔ حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من عاد مریضاً لم یزل فی خرفة الجنة حتی یرجع“ مسلمان جب کسی بیمار شخص کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو وہ واپس لوٹنے تک جنت کے میوے چنتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عیادت مریض دنیاوی و اخروی ہر اعتبار سے فضیلت کا حامل ہے۔

اللہ ہم سب کو عیادت کی توفیق دے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

میت کو غسل دینے سے پہلے.....

ڈاکٹر محمد زکریا الأزہری

موجودہ دور کے مسلم معاشرے کی یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ میت کو غسل دینے اور تکفین و تدفین کے آداب و سنن سے مسلم طبقہ کی اکثریت ناواقف ہے یہاں تک کہ بہت سے اہل علم حضرات اس نیک عمل کے جاننے کی زحمت نہیں کرتے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک حقیقت ہمارے مسلم معاشرے کی یہ بھی ہے کہ ہم میں سے اکثر مسلمان یہ نہیں جانتے کہ جب کوئی شخص وفات پا جائے تو اس کو غسل دینے سے پہلے اس کے تئیں کیا کیا چیزیں واجب ہوتی ہیں، اور کون سے ایسے امور ہیں جن کا لحاظ تکفین و تدفین سے پہلے کیا جانا چاہئے۔

اللہ رب العزت کی طرف سے مومن بندہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اللہ مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنے کی تلقین فرمائی۔ اور اللہ رب العالمین کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کے واسطے سے ان تمام احکام و آداب کی نشاندہی فرمادی ہے کہ جسے ایک مومن شخص کے مرنے کے وقت یا مرنے کے بعد دفن سے پہلے یا دفن کرنے کے وقت اپنانا چاہئے، لہذا میت کو کیسے غسل دیا جائے۔ اس کی تکفین و تجہیز کیسے ہو، پھر اس کی نماز جنازہ ادا کیا جائے، اس کے بعد نہایت معزز و مکرم طریقہ سے قبر میں داخل کیا جائے پھر اس کا معاملہ اللہ رب العالمین کے حوالے ہو جاتا ہے، چاہے تو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے یا جہنم رسید کرے۔

یہ پیش لفظ جو آپ کے سامنے ہے اس کا مقصد دین اسلام کا ہمارے اوپر فضل و احسان کا بیان ہے، اور یہ کہ اس دین نے بجز اللہ ہمارے لئے تمام شرعی احکام و سنن و آداب کی وضاحت کی ہے۔ لہذا کسی بھی مومن شخص کے لئے خصوصی طور پر علم دین حاصل کرنے والوں کے لئے روانہ نہیں کہ حضور اکرم کی کسی بھی سنت پر عمل کرنے میں کوتاہی برتے۔

جس وقت دنیاوی لذتوں سے محروم کر دینے والا ملک الموت کسی انسان پر اترتا ہے تو وہ وقت اس انسان کے لئے نہایت ندامت و پشیمانی کا ہوتا ہے جس کی تصویر ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ ”حتی إذا جاء احدہم الموت قال رب ارجعونی لعلی اعمل صالحا فیما ترکت“ (المومنون: ۱۵۵)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر لوں پھر اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ ”کلا إنها کلمة هو قائلها ومن ورائہم برزخ

إلى يوم يبعثون“ (المومنون: ۱۰۰) ہرگز ایسا نہیں ہوگا یہ صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے تک۔

اس وقت انسان تمنا کرتا ہے کہ کاش اسے دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے کہ وہ نیک عمل کر کے اور نیکیوں میں اضافہ کرے۔ اور اللہ رب العزت نے موت کے یقینی آنے کی خبر ہر فرد بشر کو دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”أينما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة“ اور اللہ نے موت کے وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ”قل يتوفكم ملك الموت الذي وكل بكم ثم إلى ربكم ترجعون“ (السجدة: ۱۱) کہہ دیجئے! کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے روح کو قبض کرنے کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جسے ملک الموت کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہونا یہ چاہئے کہ جس وقت انسان جانکنی کے عالم میں ہو اور سانس میں غرغراہٹ شروع ہو جائے تو اسے کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے کیونکہ اللہ کے رسول کا فرمان ہے کہ جس شخص کا آخری کلام دنیا میں لا اِلهَ اِلاَّ اللہ کی شہادت ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پھر روح نکلنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ میت کی دونوں آنکھیں بند کر دی جائیں، کیونکہ وہ اس وقت کھلی رہتی ہیں کیونکہ وہ روح کا پیچھا کرتی ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قدم سے شروع ہو کر آنکھ کے ذریعے روح نکالی جاتی ہے اسی وجہ سے اللہ رب العالمین نے فرمایا: ”والتفت الساق بالساق“ (سورة القیمة: ۳۹) اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔“ پھر اگر منہ کھلا ہے تو اس کے منہ کو کپڑے سے باندھ دیا جائے، اس کے بعد اس کے ترکہ سے لوگوں کے حقوق ادا کئے جائیں گے، مثال کے طور پر میت پر قرض ہے یا اس نے کسی سے جائز وعدہ کیا ہے تو انھیں پورا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس کے مال سے اللہ کے حقوق ادا کئے جائیں گے۔ مثلاً اگر اس میت پر کوئی کفارہ یا نذر وغیرہ رہی ہو تو اسے پورا کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی فرض کی ادائیگی میں اس نے کوتاہی کی جو مالی حقوق کی ادائیگی سے متعلق ہے جیسے زکوٰۃ اور حج وغیرہ تو اس کو پورا کیا جائے گا، اسی طرح اس کے مال سے اس کی جائز وصیت بھی پوری کی جائے گی، اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ ”الثالث والثالث كثير“ اس کے بعد باقی اموال کو اللہ کے احکام کے مطابق جیسا کہ اس نے قرآن کریم میں مفصل ذکر کیا ہے تقسیم کر دیا جائے گا۔

میت کو غسل دینے میں اللہ کے نبی ﷺ نے متعین طریقے کی وضاحت فرمائی اس کی واضح دلیل ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو متفق علیہ ہے۔ فرماتی ہیں ”جب اللہ کے نبی ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو آپ نے ام عطیہ کو حکم دیا کہ انہیں تین یا پانچ یا سات مرتبہ غسل دیں۔ یا اس سے بھی زیادہ غسل دینے میں اضافہ کریں اگر ضرورت پڑے اور

انہیں پانی اور پیر سے غسل دیں۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا طاق عدد کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر آپ نے یہ بتایا کہ سب سے آخر میں کافور سے غسل دیا جائے۔

میت کو غسل کون دے گا؟

سب سے پہلے میت کو غسل وہ شخص دے گا جس کے لئے مرنے والے نے مرنے سے پہلے غسل دینے کی وصیت کی ہو، لہذا اس شخص کو غسل دینے کے لئے مقدم کیا جائے گا۔ اگر اس نے کسی کو وصیت نہیں کی تو مستحب ہے کہ اس کے گھر کے دو افراد اس کام کے لئے آگے بڑھیں اور میت کو غسل دیں اس شرط پر کہ یہ دونوں افراد غسل دینے کے سنن و آداب سے واقف ہوں، ورنہ پھر اس کام کے ماہر کسی شخص کو لائیں اور گھر کے افراد اس کام میں تعاون کریں۔

لیکن کیا یہ چیز (تعاون شرط ہے)؟ جواب: نہیں۔

اس کے بعد اگر کوئی گھر کا آدمی نہ مل سکے جو غسل دینے کے کام سے بخوبی واقف ہو تو پھر مستحب ہے کہ اسے ایسا شخص غسل دے جو نہایت متقی ہو۔ لوگوں کے عیوب و نقائص اور شرمگاہوں اور مستورات پر نگاہ ڈالنے سے یکسر پرہیز کرنے والا ہو۔ کیونکہ میت کو جس وقت تجہیز و تکفین یا کسی اور مقصد کے لئے الٹا پلٹا جاتا ہے وہ اپنی شرمگاہوں کو چھپانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ لہذا اس کام کے لئے لوگوں میں سب سے متقی شخص کا انتخاب کرنا چاہئے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: "اختاروا الموتاكم أن يغسلهم أتقاكم" تم لوگ اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین کے لئے سب سے متقی شخص کا انتخاب کرو۔

بھائیو! ہمیں چاہئے کہ اسے خوب اچھی طرح سمجھیں اور اسے عملاً تطبیق دیں کیوں کہ اللہ رب العالمین نے اس کے لئے سنت کی اتباع کے اندر خیر رکھا ہے، اس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی سنت زندہ ہو جائے گی اور اس کا اجر و ثواب ملنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی اسی کے حق میں جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ جس نے دین اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اس پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملے گا درحالیکہ اس پر عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آ جاؤ۔ اور یہ بھی فرمایا: "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة" لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان چیزوں میں اللہ کے نبی و کی سنت کو زندہ کرنے کے لئے سبقت کریں۔ اسی کے ساتھ ایک اور اہم چیز کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ میت کو دفنانے میں جلدی کرنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے: "روح کو جلدی ہوتی ہے، اگر روح مومنہ صالحہ ہوتی ہے تو فریاد کرتی ہے کہ مجھے آگے بڑھاؤ، لیکن اگر بری ہوتی ہے تو تم لوگ ایک بری چیز کو آگے بڑھاتے ہو۔

بدعت اور اس کے مضر اثرات

عبدالواحد محمد لقمان

متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

مذہب اسلام عہد نبوی، صحابہ کرام اور ان کے بعد قریبی ادوار میں بالکل خالص اور صاف شفاف تھا، ہر قسم کی بدعتیگی، اوہام اور بدعات و خرافات سے منزہ اور مبرا تھا، مسلمان توحید کے ماننے والے اور کتاب اللہ و سنت رسول (ما أتاکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتہوا) پر عملی کرنے والے تھے، لیکن خیر القرون کے بعد دین اسلام کی تصویر اس کے گمراہ عالموں نے بدل ڈالی۔

موضوع کی وضاحت سے پہلے بدعت کا لغوی اور شرعی معنی بیان کر دیا جائے، علامہ ابن منظور افریقی نے ذکر کیا کہ بدعت دو معنوں میں مستعمل ہے:

(۱) کسی چیز کو اس طرح ایجاد کرنا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہ ہو، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (قل ما کنت بدعا من الرسول) [الاحقاف: ۹] آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں۔

(۲) دوسرا معنی تھکاوٹ اور اکتاہٹ ہے، چنانچہ جب اونٹ کمزوری، بیماری یا تھکاوٹ کی وجہ سے راستہ میں بیٹھ جائے تو اہل عرب اس کو ”أبدعت الابل“ یا ”أبدعت الراحلة“ کہتے ہیں۔ [لسان العرب لابن منظور: ۸/۷۷] شریعت میں بدعت کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور اس کی عبادت کی غرض سے دین میں کسی ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو جو کتاب و سنت کے مخالف ہو، اور اس کی کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔

شریعت اسلامیہ میں بے شمار بدعات و خرافات ایجاد کر لی گئیں، جن کا کتاب و سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اس لئے کہ یہ کفر و ضلالت کا ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والے کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو سکتا اور یہ شرک کی کنجی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیین لہ الہدیٰ ویلتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولى ونصلہ جہنم وساءت مصیرا) [سورۃ النساء: ۱۱۵] اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس پر ہدایت واضح ہو جانے کے بعد، اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستہ پر چلے تو ہم اس کو اسی راستہ پر چلائیں گے، جس پر وہ گیا ہے اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: (وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرُقَ بَيْنَ سَبِيلِهِ ذَلِكَ وَمَا كُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) [سورة الانعام: ۱۵۴] اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو، ورنہ یہ راستے تم کو صحیح راستے سے برگشتہ کر دیں گے، اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کی وصیت کرتا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

بہت ساری قرآنی آیات اور حدیثیں وارد ہوتی ہیں جن میں بدعت اور بدعتیوں دونوں کی بہت مذمت بیان کی گئی ہے، جس سے ایک عقلمند اور صاحب بصیرت خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ خود ساختہ دین کی پیروی جس کا کتاب و سنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے، اس پر عمل کر کے انسان کہاں چلا جاتا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ“ [صحیح مسلم، سنن نسائی] اور بدترین امور دین کے اندر نئی چیزوں کو پیدا کرنا ہے اور ہر نئی چیز دین کے اندر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ جب کتاب و سنت کی روشنی میں ہر بدعت کو ضلالت کہا گیا ہے تو پھر ہم بدعت کی تقسیم بدعت حسنہ اور سیئہ کی صورت میں کیسے کر سکتے ہیں؟ لہذا جو لوگ بدعت کی تقسیم بدعت حسنہ اور سیئہ کی صورت میں کرتے ہیں، یہ ان کی سنت نبوی سے ناواقفیت کی واضح دلیل ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دین میں بدعت ایجاد کرنا کافی خطرناک ہیں، بدعت امت مسلمہ کی تباہی کا سبب ہے، اس کے بدترین اثرات و نتائج نہ صرف فرد اور معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں، دین اسلام کی شکل و صورت بھی بدل جاتی ہے، حق چھپ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، امت مسلمہ کا عقیدہ و ایمان بگڑ جاتا ہے اور ان کے لئے حق و باطل گڈمڈ ہو جاتا ہے، اعمال خراب ہوتے ہیں، عبادت متاثر ہوتی ہے اور کتاب و سنت سے ہمارا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔

بدعت کے تباہ کن اثرات و نتائج سے متعلق کتاب سنت میں واضح نصوص اور اقوال سلف موجود ہیں۔

بدعت دین کامل میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے تجاوز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر مکمل دین نازل فرما کر واضح اعلان کر دیا: (اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً) [سورة المائدة: ۳] آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میری نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔

دین میں نئی چیز ایجاد کرنے والا لعنت کا مستحق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے ان کی مدد کی یا اسے پناہ دیا تو وہ بھی لعنت کے مستحق ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَّثًا عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا“ [صحیح مسلم، کتاب الحج، رقم: ۲۳۲۳] جس نے بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا کوئی فدیہ اور

سفارش قبول نہ کرے گا۔

صاحب بدعت اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں: ”صاحب البدعة لا یزاد إجتہادہ، صیاماً و صلوة إلا ازداد من الله بعداً“ [الاعتصام ۸۲/۱] صاحب بدعت روزہ نماز کے ذریعہ جتنا ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کوشش کرتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔

صاحب بدعت پر دنیا میں ذلت و رسوائی اور اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے: (ان الذین اتخذوا العجل سینالہم غضب من ربہم وذلة فی الحیاة الدنیا وكذلك نجزی المفترین) [سورة الاعراف: ۱۵۲] جن لوگوں نے کچھڑے کو معبود بنا لیا انہیں ان کے رب کی طرف سے دنیا کی زندگی میں غضب اور ذلت کی مار ہوگی اور ایسا ہی بدلہ ہم جھوٹی باتیں گھڑنے والوں کو بھی دیں گے۔

بدعت سے مسلمانوں اور امت مسلمہ میں اختلاف و انشقاق پیدا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے امت مسلمہ کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے، اور ان کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو جاتا ہے، اس تفریق کی وجہ سے ان کے درمیان عداوت و دشمنی پیدا ہوتی ہے اور بسا اوقات ایک دوسرے کے جان کے درپے ہو جاتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: (ولا تكونوا من المشرکین الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعاً کل حزب بما لدیہم فرحون) [سورة الروم: ۳۲] اور ان مشرکوں میں سے مت ہو، جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ درگروہ ہو گئے، ہر فریق کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔

بدعتوں اور دوسرے گناہوں کو یکساں تصور کرنا سخت غلط فہمی ہے، شرک کو چھوڑ کر دوسرے گناہوں کا تعلق خالص عقیدہ سے نہیں ہوتا، جب کہ بدعتیں خالص صحیح عقیدہ کے خیال سے دل میں جا گزریں ہوتی ہیں، اور دل کو برباد کر کے اسے اللہ کے تقویٰ سے دور کر دیتی ہیں، ایسی صورت میں بدعتی کا حق کی طرف لوٹنا کافی مشکل ہوتا ہے اور بدعتی کو توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: ”البدعة أحب إلی ابلیس من المعصية، المعصية یتاب منها والبدعة لا یتاب منها“ [شرح السنۃ للبغوی ۲۱۶/۱] ابلیس کے نزدیک بدعت گناہوں سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ گناہوں سے توبہ کرنا ممکن ہے لیکن بدعت سے توبہ ممکن نہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”إن الله احتجر التوبة عن کل صاحب بدعة“ [رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۳۸۰/۲۔ صحیحہ الالبانی سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ ۱۵۴/۴ رقم: ۱۶۲۰] اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ روک دیا ہے، مگر ہاں: بدعتی کی توبہ اس وقت قابل قبول ہوتی ہے جب وہ بدعت کے کاموں کو انجام دینا چھوڑ دے۔

مسلمانوں میں واقع ہونے والے اکثر فتنوں میں ان کا ہاتھ ہوتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: اے ابو عبد اللہ احرام کہاں سے باندھوں؟ آپ نے فرمایا ذوالحلیفہ سے جہاں سے اللہ کے رسول نے احرام باندھا تھا،

اس آدمی نے کہا: میں مسجد نبویؐ کے پاس قبر رسول سے احرام باندھنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو مجھے تم پر فتنہ کا اندیشہ ہے اس آدمی نے کہا کون سا فتنہ؟ یہ تو فقط چند میلیوں کی مسافت ہے جسے میں زیادہ کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا: اس سے بڑھ کر اور کون سا فتنہ ہو سکتا ہے؟ تم اپنے خیال میں ایسی فضیلت کے حصول کے لئے سبقت کر رہے ہو جسے اللہ کے رسول ﷺ کرنے سے کچھ رہے، میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا ہے: (فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم) [سورة النور: ۶۲] جو لوگ رسول اکرم ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔ امام ملک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں جس فتنہ کا ذکر کیا ہے، اسی فتنہ میں بدعتی مبتلا ہیں اور وہی فتنہ ان کی وہ بنیاد ہے جس پر وہ اپنی عمارت قائم کئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ کتاب و سنت ان چیزوں سے کم تر ہیں جن کی جانب ان کی عقل نے رہنمائی کی ہے۔ [الاعتصام ۱/۳۲]

ہر وہ عمل جو کتاب و سنت کے موافق نہ ہو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ بہر صورت مردود اور ناقابل عمل ہے اس لئے کہ ہر وہ عمل جو دین میں نیا ایجاد کیا گیا ہو اسے بدعت کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ومن أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ [صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة... رقم: ۴۴۹۲] جس نے ہماری اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے، اور دوسری روایت میں ہے، ”من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد“ [صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام... رقم: ۴۴۹۳] جس نے ایسا کام کیا جس کا ثبوت ہمارے دین میں نہیں ہے وہ عمل مردود ہے۔

اس قدر واضح الفاظ میں صحیح احادیث آجانے کے بعد کوئی شک نہیں رہتا کہ دین اسلام میں ایجاد کردہ ہر نیا عمل مردود ہے خواہ اس کو کرنے والا اسے کتنا ہی اچھا کیوں نہ سمجھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا) [سورة الکہف: ۱۰۳/۱۰۴] اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں، جن کی تمام کوشش دنیوی زندگی میں بیکار ہو گئیں اور وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔

بدعت کے اس خطرناک نتیجہ و انجام کی روشنی میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کا خسارہ اور نقصان کتنا بڑا ہوتا ہے۔ کتاب و سنت کا دامن چھوڑ کر اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے تو بدعات و خرافات کا رواج ہوگا، ضلالت و گمراہی پھیلے گی، عقیدہ و ایمان بگڑے گا، اعمال مردود اور ناقابل قبول قرار پائیں گے اور ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ اور ہاتھ نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تمسک بالکتاب والسنۃ کی توفیق بخشے اور ہر طرح کی بدعات و خرافات اور ان کے مہلک اثرات و نتائج سے محفوظ رکھے۔

مکہ مکرمہ قدیم تاریخ کے جھروکے سے

محمد فرقان بن معین الحق / ف ۳

خانہ کعبہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ ہے، اور یہ گھر مکہ مکرمہ جیسی عظیم الشان سرزمین میں واقع ہے، اس لئے مسلمانوں کا سرزمین مقدس سے دلی وجہ باقی لگاؤ ہے، اسلام کی تاریخ یہیں سے شروع ہوتی ہے، اور توحید کی دعوت کا آغاز یہیں سے ہوا، دین کے لئے جس جذبہ قربانی و خود سپردگی کی ضرورت ہے اس کی جھلک اسی جگہ کے واقعات میں پوشیدہ ہے، دینی حیثیت کے ساتھ ساتھ اقتصادی، معاشرتی، ادبی، تاریخی اعتبار سے بھی مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر کو مبعوث فرما کر اور ان پر قرآن کریم نازل فرما کر نیز ان کی دعوت کو عالمی اور دائمی دعوت کا امتیاز عطا فرما کر اس سرزمین اور اس کی تاریخ کو ایسی معنویت عطا فرمادی ہے جس کا بیان الفاظ کے ذریعہ ممکن نہیں، بتوفیق اللہ اس مقدس سرزمین کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے۔

لفظ مکہ ایک تعارف:

لفظ مکہ مکہ یا مَکَک سے مشتق ہے اور مَکَک دھکیلنے اور جذب کرنے کو کہا جاتا ہے اس لئے کہ لوگ اس مقدس شہر میں چلنے اور طواف کرنے میں ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں اور یہ اَرْض مقدس گناہ گار انسانوں کے گناہ کو جذب کر لیتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شہر کَرۃ ارض کے وسط میں واقع ہے اور دنیا بھر کے دریاؤں اور چشموں کے پانی کا منبع بھی ہے، اس طرح تمام روئے زمین مکہ مکرمہ کے پانی سے سیراب اور فیض یاب ہو رہی ہے۔ ۱

مکہ مکرمہ کی وجہ تسمیہ:

قرآن مجید میں اس سرزمین پاک کو مکہ، بکہ، ام القرى، وادی غیر ذی ذرع جیسے ذی شان ناموں سے یاد کیا گیا ہے، مکہ اور بکہ حقیقت میں ایک ہی لفظ ہے لیکن بکہ کی باء میم سے بدل کر مکہ بن گیا ہے، جس طرح لفظ ’’لازم‘‘ اصل میں لازم تھا مگر باء میم کے ساتھ تبدیل ہو گئی اور لازم استعمال ہونے لگا۔ ۲

امام لیثؒ فرماتے ہیں: مکہ کو مکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں ہر ظالم و جابر جب وہ ملحدانہ فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اسکی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ ۳

۱۔ تاج العروس ۴/۶، شفاء الغرام ۱/۵۴ وغیرہ

۲۔ لسان العرب ۶/۳۶۰

۳۔ تفسیر کبیر ۳/۳۰۱، تفسیر قرطبی ۲/۱۳۸، تفسیر البغوی ۱/۳۸۵۔ ۴۔ تاریخ مکہ مکرمہ و بیت الحرام لدکتور وحی اللہ ص: ۴۰

ابن عمروؓ فرماتے ہیں: مکہ کو مکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ راستہ میں چلتے ہوئے بھیڑ کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکیلتے اور چیر پھاڑ کر نکلتے ہیں "كأن الناس يبك بعضهم بعضاً فى الطرق"۔^۱

ولادت مکہ مکرمہ:

پانی کی سطح پر ابھرنے والا وہ مقدس مقام جسے زمین کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا وہ مکہ مکرمہ ہی کی زمین تھی، پھر اس کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین بچھادی۔^۲ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پانی کے چار ستونوں پر کھڑا کر کے مکہ مکرمہ بنایا گیا جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں پھر زمین اس کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔^۳ عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے پیدائش سے ایک ہزار سال قبل پیدا فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا، پھر عرش کے نیچے زمین کو بچھا دیا گیا۔^۴ مجاہد یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کعبہ کو بنایا پھر اس کے نیچے زمین کو بچھا دیا گیا۔^۵ یہ تمام اقوال اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین دنیا کی تمام زمین سے پیدائش کے اعتبار سے قدیم ہے۔

تفسیر کبیر میں ایک روایت آئی ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین کے وسط میں واقع ہے اور یہ زمین کی ناف ہے اس لئے اسے ام القریٰ بھی کہا جاتا ہے اور یہ بیت المعمور کا سایہ ہے۔^۶

مکہ اور بکہ کے درمیان فرق:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ماسواپور شہر مکہ ہے اور بکہ ہی وہ مقام ہے جہاں طواف کیا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ طواف صرف حرم ہی کے اندر جائز ہے باہر نہیں کیونکہ باہر کا حصہ مکہ میں شمار ہوتا ہے یہی قول امام مالک، امام ابراہیمؒ، امام عقیلہ اور امام مقاتل کا ہے۔^۷ امام ابی جعفرؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت طواف کرتے ہوئے ایک نمازی کے سامنے سے گزر گئی اس آدمی نے اس عورت کو دھکے دے دیا تو وہ عورت رونے لگی اس لئے بکہ طواف کرنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔^۸ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں لوگ مخلوط مرد و عورت ایک دوسرے کے آمنے

۱۔ تاج العروس ۶/۲۶۳

۲۔ تاریخ کعبہ ص: ۳۴

۳۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۹۲، تفسیر طبری ۱/۵۴۷

۴۔ تفسیر طبری ۲/۱۳

۵۔ ایضاً

۶۔ معجم البلدان ۷/۲۵۶، تفسیر کبیر ۳/۹

۷۔ معجم البلدان ۸/۱۳۴، ابن کثیر ۱/۳۸۳، تفسیر طبری ۲/۶۱

۸۔ تفسیر طبری ۲/۸

سامنے نماز پڑھتے ہیں جب کہ دوسری جگہ ایسا کرنا درست نہیں ہے اس لئے اس کو بکہ کہا جاتا ہے۔ ۱۔
ان تمام اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ بکہ طواف کرنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور مکہ پورے حدود حرم کو کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ کے حدود اربعہ:

محمد بن حوقل المتوفی ۳۶۷ھ نے ۳۳۱ھ میں لکھا تھا کہ مکہ مکرمہ کا حد شمالاً و جنوباً طول معلاء سے مسفلہ تک ۳/میل اور
اجیاد کے نیچے سے قعیقعان کی پشت تک عرض ۲/میل ہے۔ ۲۔

امام المؤرخین علامہ تقی الدین فاسی رحمہ اللہ المتوفی ۸۳۳ھ میں حدود اربعہ اس طرح بیان فرمایا تھا:

باب معلاء سے باب ماجن تک ۴۴۷۲ ذراع اور باب معلاء سے شبیکہ تک ۴۴۹۲ ذراع۔ ۳۔

مولانا عبدالسلام ندویؒ نے ۱۳۴۲ھ میں حدود کی تفصیلات اس طرح بیان فرمائی تھی:

”مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کا شمالی سلسلہ مغربی جانب میں جبل ثلج، جبل قعیقعان، جبل ہندی، جبل لعلع اور جبل کداء پر
مشمول ہے۔ یہ تمام پہاڑی سلسلہ شہر کے بالائی حصہ میں واقع ہے، جنوبی حصہ کی مغربی جانب جبل ابی حدیدہ اور جبل کداء جو
جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے، واقع ہیں پھر جبل ابی فنیس جو ان دونوں کے مشرق جانب ہے، سے گھیرا ہوا ہے اس کے بعد جبل
خندمہ ہے۔ ان تمام پہاڑوں کی چوٹیوں اور ہموار جگہوں میں بنے ہوئے چھوٹے بڑے مکانات کی مجموعی تعداد تقریباً سات
ہزار ہے جن میں کم و بیش دو لاکھ نفوس ایام حج میں اقامت پذیر ہوتے ہیں۔ ۴۔

علامہ محمد لیب البتوئیؒ نے ۱۳۲۹ھ میں حسب ذیل حدود بیان فرمائی ہیں:

”شمالاً و جنوباً ۳ کلومیٹر لمبا اور شرقاً و غرباً جبل ابی فنیس سے جبل قعیقعان تک ۱/۲ کلومیٹر چوڑا ہے۔ ۵۔

دخول و خروج مکہ مکرمہ کے راستے:

اس شہر مقدس میں داخل اور خارج ہونے کے لئے قدیم زمانے میں صرف تین ہی راستے تھے؛ یہ راستے بقول علامہ
ازرقی رحمہ اللہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ طریق کداء: یہ سڑک عراق اور عرفات کی طرف جاتا ہے۔

۲۔ طریق یمن: یہ راستہ یمن کی سمت جاتا ہے۔

۳۔ طریق جدہ: یہ سڑک مدینہ منورہ، جدہ، شام، مصر وغیرہ کی طرف جاتی ہے۔ ۶۔

علامہ تقی الدین فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دور میں دروازے وغیرہ تو قطعاً ختم ہو چکے ہیں بلکہ ان سے کہیں دور

۱۔ ایضاً

۲۔ صورت الارض ص: ۲۸

۳۔ تاریخ حرمین شریفین لندوی ص: ۲۷

۴۔ اخبار مکہ ص: ۳۰

۵۔ شفاء الغرام ج ۲/۶۹، تقی الدین فاسی المتوفی ۸۳۲ھ

۶۔ الرحلة الحجازیہ ص: ۱۶۰، محمد لیب البتوئی مصری

- دور تک آبادی پھیل گئی ہے اور اب تین کے بجائے چار راستے بن گئے ہیں:
- ۱- مشرق میں دوسڑکیں، ایک باب الشرائع اور دوسرا طریق مٹی۔
 - ۲- شمال میں تین سڑکیں، باب اللصوص، باب ربیع، باب اذاخر۔
 - ۳- مغرب میں چار سڑکیں ہیں، باب جدہ، ربیع ابی لہب، ربیع الکحل اور درب الہندادیہ۔
 - ۴- جنوب میں تین سڑکیں ہیں، طریق الفجر، ربیع کدی، طریق مسفلہ۔ ۱

مکہ مکرمہ کی ابتدائی آبادی:

اس لائق و دق صحرا کو گل گزار اور چمن زار دہانے والا پہلا شخص حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام ہیں، جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام حکم الہی سے اس بے آب و گیاہ ریگستان اور سنگلاخ و ناہموار ٹیلہ میں تھوڑا سا پانی اور مشکیزہ بھر پانی دیکر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر آئے تھے اس سے قبل یہ ایک ہولناک اور وحشت انگیز بیابان ٹیلہ تھا اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”إِنْ أُولَ بَيْتٍ وَضَعُ لِلنَّاسِ لِلَّذِي بَبَكَةِ مَبَارَكَا وَهَدَىٰ لِلْعَالَمِينَ“ ۲ کہ اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ شریف میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت و ہدایت والا ہے۔ (جو ناگڈھی)

اس آیت سے پتہ چلا کہ سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس شہر مقدس کو آباد کیا تھا البتہ اطراف و اکناف میں قبیلہ جرہم آباد تھا۔ جو بعد میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ازدواجی سلسلے میں منسلک ہو گیا۔ ۳

مکہ مکرمہ میں سیلابوں کی ایک جھلک:

اس شہر خواہاں میں نہ تو کوئی دریا ہے اور نہ ہی ندی نالہ، مگر اس کے باوجود نہ صرف شہر بلکہ اللہ کے مقدس گھر کو بھی متعدد بار سیلاب سے ناقابل تلافی نقصان پہنچتا رہا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ایک تباہ کن سیلاب آیا تھا جس سے کعبہ شریف منہدم ہو گیا تھا، اسی وجہ سے قبیلہ جرہم کو نئے سرے سے کعبہ شریف تعمیر کرنا پڑا، ظہور اسلام کے بعد پہلا تباہ کن سیلاب ۱۱ھ میں سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں آیا تھا جو ”ام نہشل“ کے نام سے مشہور ہوا۔ ۴ اس کے بعد آخر میں ۲۲/ جنوری ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳۸۹ھ کو بدھ کے دن صبح کے وقت موسلا دھار بارش ہوئی اور حرم شریف جل تھل ہو گیا اور مٹاف میں قرآن مجید کی الماریاں کشتی کی طرح پانی پر تیر رہی تھیں، بنا بریں شہر مکہ اور کعبۃ اللہ بیسیوں مرتبہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنا۔ ۵ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مقدس شہر کو تاقیامت عظمت، جلالت و شرف پر باقی رکھے اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی گندگیوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین) ☆☆☆

۲ سورۃ آل عمران: ۹۶

۱ تاریخ القویم ۶۹/۲

۳ تاریخ القویم ۲۰۱/۲

۴ ماخوذ تاریخ مکہ مکرمہ لکھنؤ عبدالمعوض: ۷۱

۵ اعلام الاعلام ص: ۶۰، شفاء الغرام بعنوان سیلاب مکہ لکھی الدین فاضل المتوفی ۸۳۲ھ

مصنف دیوان گلشن ہدایت..... مولانا علی منظر صاحب جھمکاویؒ

(۱۲)

مولانا محمد حنیف مدنی

مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

مولانا علی منظر صاحب جھمکاوی مولانا عبدالرحیم صاحب کے اکلوتے فرزند تھے، آپ کی پیدائش ۱۲۹۹ھ کو سرزمین جھمکا میں ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، مزید علم کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا تو آپ نے آرہ، کانپور، لکھنؤ اور دہلی کا سفر کیا، اور وقت وزمانے کے بڑے بڑے علماء و فضلاء سے اخذ علم و اکتساب فیض کیا، آپ نے صحیحین اور فقہ کا درس دارالعلوم دیوبند کے علماء و مشائخ سے حاصل کیا، فراغت کی ڈگری دارالعلوم دیوبند سے حاصل کرنے کے بعد آپ نے دوبارہ دہلی کا سفر کیا اور وہاں سے مختلف قسم کے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پھر دوبارہ صحیحین کی تعلیم شیخ الکل فی الکل شمس العلماء شیخ العرب والعجم علامہ سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے حاصل کر کے آپ نے سندلی، اور وہاں سے اپنے وطن مالوف جھمکا تشریف لائے اور مدرسہ اسلامیہ جھمکا جو آپ کے چچا مولانا عبدالکریم صاحب کا قائم کردہ تھا، اس میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تعلیم دینے لگے، آپ نے مسلسل دس بارہ برس تک اس مدرسہ میں تعلیم دیا ہے، جس میں آپ کے دونوں بھتیجے مولانا ابوسعید صاحب، مولانا ابوالخیر صاحب ایک ہی ساتھ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس دور میں بہار، بنگال، آسام، بنگلہ دیش اور ہندوستان کے بہت صوبوں سے طلبہ جوق در جوق آنے لگے، آپ صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس اچھے انداز میں دیتے تھے، اس کے علاوہ آپ کو حدیث میں بڑی مہارت تھی، جب آپ کی تدریسی خدمات کی شہرت ہر طرف پھیلی تو بہار کے ایک بڑے عالم محدث علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد نے آپ کو پٹنہ عظیم آباد میں مدعو کیا، حدیث کے فن رجال میں دونوں کے مابین بحث و مباحثہ ہوا، اس پر علامہ عظیم آبادیؒ نے کہا کہ آپ سے حدیث میں مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، کبھی کبھی آپ بھی ان کے دروازہ پر تشریف لے جاتے اور اس کے علاوہ اللہ نے آپ کو علم دین کے ساتھ ساتھ دولت دنیا سے بھی نوازا تھا، آپ جھمکا میں بڑے متمول اور رئیس تھے، آپ کے علاوہ جھمکا میں کوئی دوسرا مالدار نہیں تھا، چنانچہ اسی پچاسی گاہہ زمین کے آپ مالک تھے۔

وفات:

آپ بنگال جانے کی تیاری میں لگے ہوئے تھے، جھمکا سے جب آپ سکھاتشریف لے گئے تو طبیعت تھوڑی علیل ہوئی، آپ سکھاسے اپنے وطن جھمکا واپس آگئے، رات میں آپ کی حالت نازک ہو گئی، دوا علاج کا اثر رائیگاں گیا، صبح ہوتے ہوتے معزز خاندان کا یہ چراغ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، اور تشنگان علوم و فنون یتیم ہو گئے، آپ اپنے آبائی وطن جھمکا ہی میں مدفون ہیں۔

تصنیفی خدمات:

آپ کی تصنیفات کے سلسلہ میں جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرأت فاتحہ خلف الامام: مولانا اخلاق حسین صاحب مدنی صدر جمعیت علماء ہند اور ان کے بعض اکابر جیسے مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی سے دہلی میں آپ کا زبردست مناظرہ ہوا، دونوں خفی عالم یکے بعد دیگرے لا جواب ہو گئے، اسی پر آپ نے ایک کتاب بنام ”قرأت فاتحہ خلف الامام“ لکھا، یہ کتاب آپ کی زندگی میں شائع ہو چکی تھی۔

(۲) اظہار حقیقت: یہ کتاب کافی ضخیم ہے، جھمکا کے اندر ایک غیر مسلم عورت مشرف باسلام ہوئی، جب وہ اپنے میکے میں آتی تھی تو ہندوانہ رسم و رواج پر قائم رہتی تھی، جماعت اہلحدیث کی مایہ ناز ہستی علامہ عبدالعزیز محدث رحیم آبادی نے اس کا نکاح بعض خراسانی اکابر کے ساتھ کر دیا، مولانا علی منظر اور آپ کے خاندان کے بڑے بڑے علماء کرام نے متفقہ مسئلہ یہ قرار دیا کہ اس کا اسلام صحیح نہیں ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اور آپ کی زندگی ہی میں چھپ چکی تھی۔

(۳) شرح سنن ابن ماجہ: اس کتاب کے مکمل ہونے میں کچھ نقص رہ گیا تھا، اس کتاب کو آپ بنگال لیکر جا رہے تھے، راستہ میں طبیعت خراب ہونے لگی، آپ اپنے وطن جھمکا واپس آ گئے اور صبح ہوتے ہی آپ دنیا سے رحلت فرما گئے، یہ کتاب آپ کی وفات کے بعد ضائع ہو گئی۔

(۴) حق الفرائض: یہ کتاب ضخیم اور فن فرائض کے مواد سے پُر ہے، اور عربی زبان میں ہے۔

(نوٹ) آپ کی تصنیف کی ایک بڑی تعداد ہے، مگر اتفاق ایسا کہ ان میں سے اکثر کتابیں طبع نہ ہو سکیں اور فی الحال سب کتابیں ناپید ہیں۔

اہل و عیال:

آپ نے موضع پہاڑ پور، تھانہ سنول، ضلع مشرقی چمپارن کے ایک رئیس و شریف خاندان کے آدمی میر کی دختر نیک رسولن خاتون سے شادی کی تھی، جن سے تین لڑکے: (۱) مولانا نظام الرحمن (۲) مولانا مختار المجید (۳) مولانا مقصود الغنی، اور تین لڑکیاں: (۱) فضیلت خاتون (۲) شریفن خاتون (۳) غفورن خاتون پیدا ہوئیں۔

مرجع و مصدر

- (۱) مذکرہ ڈاکٹر عبدالماجد (قلمی)
- (۲) تاریخ جھمکا از فراق الاعظم انجینئر جھمکاوی (قلمی)
- (۳) مولانا توصیف الرحمن بلواوی کا تحریری بیان۔



باب الفتاویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

- (۱) اگر کسی شخص کو طلوع فجر کے بعد رمضان المبارک کی آمد کا علم ہوا ہو تو وہ کیا کرے؟
- (۲) جو شخص دائم المریض ہو اور اس کی بیماری ختم ہونے والی نہ ہو، بیماری کی وجہ سے مسلسل روزہ چھوڑنے پر مجبور ہو، تو ایسا شخص مسکین کو کھانا کھلائے گا یا کیا کرے؟

قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوہاب وهو الموفق للصدق والصواب:

صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ جس شخص کو کسی بھی وجہ سے ماہ رمضان المبارک کی آمد کا علم طلوع فجر یا طلوع آفتاب کے بعد دن کے وقت ہوا ہو، اسے چاہئے کہ وہ دن کے باقی حصے میں کھانے پینے سے احتیاط کرے، کیونکہ یہ رمضان کا دن ہے، اور رمضان المبارک کے دنوں میں کسی تندرست مقیم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بلا کسی شرعی عذر کے مفطرات (روزہ توڑ دینے والی چیزیں) میں سے کسی چیز کو استعمال کرے۔

لیکن اس پر اس دن کے روزہ کی قضا ضروری ہے، اس لئے کہ اس نے طلوع فجر یا صبح صادق سے پہلے روزہ کی نیت نہیں کی اور روزہ کے وقت کا کچھ حصہ اس نے بلا نیت روزہ گزار دیا، اور کسی بھی عبادت کے قبول ہونے کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے“۔ (صحیح بخاری ج: ۱، صحیح مسلم: ۱۹۰۷)

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”جس نے طلوع صبح صادق سے پہلے رات ہی میں روزہ کی نیت نہیں کی تو اس کا روزہ نہیں ہوا“۔ (صحیح الجامع: ۶۵۳۴، ارواء الغلیل: ۹۱۴) یہ یاد رہے کہ اس فرمان رسول ﷺ سے مراد فرض روزہ ہے، اس لئے کہ نفلی روزہ کی نیت اگر آدمی دن کے کسی حصہ میں بھی کر لے تو اس کا روزہ صحیح سمجھا جائے گا، بشرطیکہ وہ مفطرات (روزہ توڑنے والی چیزوں میں سے کوئی چیز نہ کھایا ہو، اسی طرح روزہ توڑنے والے افعال میں کوئی فعل انجام نہ دیا ہو۔

(۲) جو شخص دائم المریض ہو، اور بیماری ایسی ہو کہ اس حالت میں روزہ رکھنا صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہو، تو ایسے شخص کے لئے روزہ رکھنا منع ہے، کیونکہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء: ۲۹) یعنی اپنے آپ کو

قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔ نیز فرمان خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرہ: ۱۹۵) یعنی اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”لا ضرر ولا ضرار فی الإسلام“ (سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ: ۲۵۰) یعنی مذہب اسلام میں اپنے آپ کو نقصان دینا جائز ہے اور نہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز ہے۔ اس لئے ایسا شخص روزہ نہیں رکھے گا، بلکہ اسے چاہئے کہ وہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہیں۔

۱- جتنے دنوں کا روزہ مریض کے ذمہ ہوا اتنے دنوں کا کھانا تیار کر کے فقراء و مساکین کو کھانے کے لئے بلائے اور انہیں دو پہر یا رات ایک وقت کا کھانا کھلائے، جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے ثابت ہے کہ جب وہ بہت بوڑھے ہو گئے، تو ایسا ہی کیا کرتے تھے، ایک یا دو سال تک انہوں نے ہر روز ایک مسکین کو روٹی اور گوشت کھلایا اور روزہ افطار کرتے رہے۔ (صحیح بخاری)

۲- جتنے دن کے روزے اس کے ذمہ باقی ہوں، اتنے دنوں کا غلہ شہر میں زیادہ استعمال کی جانے والی خوراک میں سے مسکینوں کو دیدے، اس طرح سے کہ ہر مسکین کو نصف صاع (سوا کیلو تقریباً) گیہوں یا چاول ان کو دے دیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن عجرہ سے فدیہ اذی کے بارے میں فرمایا: ”چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، ہر مسکین کو نصف صاع غلہ دے دو“۔ (صحیح بخاری: ۱۸۱۶، صحیح مسلم: ۱۲۰۱)

لیکن اس سلسلہ میں مناسب یہ ہے کہ گیہوں یا چاول کے ساتھ گوشت یا کوئی دوسری چیز (جوسالن بن سکے) بھی پیش کرے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل ہو سکے: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يَطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامَ مَسْكِينٍ﴾ (البقرہ: ۱۸۴) رہ گئی یہ بات کہ مسکین کو کھانا کب کھلایا جائے، تو اس بارے میں واضح ہو کہ اس میں اختیار ہے، اگر چاہے تو ہر دن کے روزہ کے بدلے ہر دن فدیہ دے دے، اور اگر چاہے تو رمضان کے آخری دن تک کے لئے مؤخر کر دے۔ یہ یاد رہے کہ روزہ یا رمضان سے پہلے فدیہ ادا کرنا جائز و درست نہیں ہے، اس لئے کہ فدیہ کو مقدم کرنا روزہ کو مقدم کرنے کی طرح ہے، جو کہ ناجائز ہے۔ اسی طرح علیحدہ علیحدہ مختلف مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا مختلف مسکینوں کو غلہ دینا بھی جائز ہے، یعنی جتنے دنوں کا روزہ اس کے ذمہ باقی ہو، اسی طرح مستحقین کے گھرانے کو دینا بھی جائز ہے۔

ان تمام مسائل کی تفصیلی معلومات کے لئے: فتاویٰ رمضان، استقبال رمضان، فتاویٰ شیخ صالح العثیمینؒ، زاد المعاد للعلامة ابن القیمؒ وغیرہ دیکھیں)

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم وأحکم
حررہ: ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس